جلد 1 شمارہ 3 مئی 1999ء محرم الحرام 1420ھ

ماہنامہ

عالمگیر محبت،
احترام آدمیت
اور اصلاح و
فلاح انسانیت
کا علمبردار

گوجرانوالہ

# آدمیت

## سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ

گوجرانوالہ

# آدمیت فلاح

باشعور محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

جلد 1 شمارہ 3 مئی 1999ء محرم الحرام 1420ھ


نگران و سرپرست

قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ




قیمت ــــــــــــ 12/- روپے
سالانہ فنڈ ــــــــــــ 120/- روپے



شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ Ph:0431-268424:

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ نوکھر ضلع گوجرانوالہ Ph:0431-260734:



پبلشر عامر رشید انصاری نے العران پرنٹرز مجلس سنتی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیرات جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا


## سلسلہ عالیہ توحیدیہ

# اس شمارے میں

# اداریہ

آج کا دور نہایت پیچیدہ، ذہنی انتشار اور مشینی انداز پر مشتمل ہے۔ ہر شخص پریشان اور ہراساں نظر آتا ہے اور قلبی سکون کے نام تک سے آشنا نہیں اور تو اور وہ یہ تک نہیں جانتا کہ اس کا علاج کیسے ممکن ہے۔ ہر کوئی اپنے اپنے زاویہ نظر سے علاج تجویز کرتا ہے اور یہی انسان کا المیہ ہے کہ خود ہی مریض ہے اور خود ہی معالج بنا ہوا ہے۔ نتیجتاً وہ نہ معالج کے فرائض درست انجام دے رہا ہے اور نہ ہی مریض کا مرض دور ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمارے آج کے بیشتر مصلحین اور رہنما خود بیمار ہیں اور قوم کا علاج کرنے کی کاوشوں میں مصروف ہیں۔ اس تمہید سے میری مراد اس طرف ہے جو واضح اور پر حقیقت ہے مگر ہماری زندگی سے کوسوں دور ہے، وہ ہے "انسان اور اللہ" کا تعلق۔ جی ہاں ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ انسان اور اللہ رب العزت کے درمیان تعلقات اپنی تندرست حالت میں موجود نہیں ہیں اور جب تک یہ تعلقات مضبوط بنیادوں پر قائم نہیں ہونگے، انسانیت یونہی سسکیاں لیتی ہوئی ظلم و جبر کی چکی میں پستی رہے گی۔ جب جڑیں کھوکھلی ہوں تو تنوں سے پھلوں کی امیدیں لگانا بے کار ہے۔ اللہ تعالیٰ انہی کو ہدایت، رحمت اور فضل کا حقدار ٹھراتے ہیں جنہوں نے اللہ سے تعلق مضبوط کیا۔

ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط مستقیم ○ (آل عمران۔101)

"جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو تو اس کو ہدایت ہوئی سیدھے راستہ کی"

فاما الذین امنوا باللہ واعتصموا بہ فسیدخلھم فی رحمہ منہ وفضل ویھدیھم الیہ صراط مستقیما ○ (النساء۔175)

"سو جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کو مضبوط تھاما تو (وہ) انکو داخل کریگا اپنی رحمت اور فضل میں اور پہنچادے گا انکو اپنی جانب سیدھے راستہ پر"

ان قرآنی آیات سے یہ تو واضح ہوا کہ اللہ سے تعلق کے بغیر ہماری زندگی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر انسان کا اللہ سے تعلق کس طرح مضبوط اور دائمی ہو؟

اس کے لئے ہمیں قرآن کریم اور سیرت رسول ﷺ کی جانب لوٹنا پڑے گا۔ اس صدی کے عظیم بزرگ اور سلسلہ توحیدیہ کے بانی حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے مذکورہ بالا انہی دو ذرائع

کا نچوڑ سلسلہ کی تعلیمات میں شامل فرمایا ہے۔ آپ نے اپنی تعلیمات میں ذکر باری تعالیٰ کی کثرت اور صحبت وارث نبی ﷺ کو لازم قرار دیا اور اسی سے الحمد للہ اللہ سے بندے کا تعلق مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے۔

آپ ؒ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں

"مسار جنٹ محمد صاحب پر خاص توجہ کرنا۔ مگر انکو خوب سمجھا دیں کہ اللہ کا ملنا کسی محبوب مجازی کا ملنا نہیں ہے کہ دو چار ماہ اس کے گھر کے چکر لگائے اور کچھ روپیہ خرچ کیا اور دیدار حاصل ہو گیا۔ اگر عمر بھر بھی نہ ملے اور مرتے وقت ایک جھلک نظر آجائے تو بھی بہت سستا سودا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ایسے طالب کا حشر اللہ کی گود کے سوا کہیں نہیں ہوگا۔ بس یہی خاص ہدایت ان کے لئے ہے کہ جلدی بالکل نہ کریں کہنے کے مطابق عمل کرتے رہیں' اخلاق کا تزکیہ کریں' غصہ اور نفرت سے دل کو پاک کریں اور تجلّل الیہ تبتیلا پر پورا عمل کریں۔ ایک معزز مہمان کو بلانا ہو تو آپ گھر کو خوب صاف کرتے ہیں کوڑے کرکٹ' میل ملی' گرد سے گھر کو پاک کرتے ہیں' سفیدی کراتے ہیں' پھر سجاتے ہیں تب اس مہمان کو بلاتے ہیں۔ اللہ کا گھر انسان کا دل ہے للذا جب تک دل کو ان کے تشریف لانے کے قابل نہ بناؤ گے وہ کیسے آئیں گے اور دل کی میل ملی اور کوڑا کرکٹ یعنی غم' غصہ' غیبت' غرور' حسد' نفرت' بدگوئی' بدظنی وغیرہ جیسی باتیں ہیں۔

ان سب کی نفی کرو اور ذکر و عبادت کی سفیدی اس میں کراؤ اخلاق حسنہ کے پھولوں (جس میں محبت اور صداقت سب سے اچھے پھول ہیں) سے اسے سجاؤ۔ پھر دیکھو کہ وہ کیسے جلوہ آرا نہیں ہوتے۔ میری تمام حلقہ والوں کو بھی نصیحت ہے کہ اپنا اخلاق رسول اللہ ﷺ جیسا بناؤ۔ زبان شیریں ہو' حرکت ملائم اور شائستہ ہو' سب سے محبت ہو' حق پر قائم رہو۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے اور سختی کا جواب نرمی سے دو۔ خدمت کرو اسی کا نام نیکی اور ولایت اور بزرگی ہے۔ قلب میں لاکھ گرمی ہو' جذب ہو' کشف ہوتا ہو' کرامات سرزد ہوتی ہوں اگر اخلاق اچھا نہیں تو یہ سب محض شیطانی باتیں ہیں۔ اخلاق اچھا ہو تو یہی رحمانی صفات ہیں"

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان تعلیمات پہ عمل کرتے ہوئے قلبی سکون' حب رسول ؐ اور اپنا قرب و دیدار عطا فرمائے آمین۔

والسلام عبدالقیوم ہاشمی

# درس قرآن

(ڈاکٹر عبدالرشید وقار)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ (المنافقون ۵)

ترجمہ: "اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لئے مغفرت طلب کرے تو انکار سے اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور تو ان کو دیکھے گا حاضر ہونے سے رک رہے ہیں تکبر کرتے ہوئے"۔

تشریح: انسان کی نیت کا اظہار اس کے عمل سے ہوتا ہے۔ خواہ زبان پر کچھ ہی ہو۔ آغاز اسلام سے ہی مسلمانوں کے اندر ایک طبقہ ایسا موجود رہا ہے جس نے اسلام اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ یہ طبقہ مسلمان کے ساتھ اس لئے چمٹا رہا کہ جب بھی مسلمانوں کو کوئی کامیابی حاصل ہو تو اس سے مستفید ہو سکیں اور ظاہراً اپنے آپ کو مسلمانوں کے خیر خواہ کے طور پر نمایاں کر سکیں۔ لیکن دل میں مذہب اسلام اور اس کے پیروکاروں کے لئے حسد اور بغض و عناد کی آگ بھڑکتی رہی۔

رسول اللہ ﷺ جب تک دنیا میں تشریف فرما رہے ان لوگوں کی منافقت کا پردہ چاک ہوتا رہا مگر جب وحی الہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو انکی نشان دہی بھی ختم ہو گئی اور ان کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ مسلمانوں کو ان کے خبث باطن کی آگاہی اسی وقت ہوئی جب وہ اپنا مقصد حاصل کر چکے مندرجہ بالا آیت رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کے بارے میں نازل ہوئی۔

ہجرت کے بعد مسلمانوں اور یہودیوں میں معاہدہ ہو چکا تھا کہ مدینہ پر حملہ کی صورت میں وہ ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ جنگ بدر کے بعد جنگ احد کا واقعہ پیش آیا حضور ﷺ کے ساتھ صرف ایک ہزار کا لشکر تھا جبکہ قریش 3 ہزار جنگجوؤں کے ساتھ کیل کانٹے سے لیس ہوئے میدان میں اترے تھے۔ عین جنگ کے موقع پر ابن ابی اپنے تین سو آدمی جو اسکے حواری تھے لیکر الگ ہو گیا اور مدینہ واپس لوٹ آیا آپ تصور میں لائیں کہ اس وقت مسلمانوں پر کیا گزری ہوگی۔ جب کہ مسلمانوں کی تعداد پہلے ہی کم تھی۔ عین لڑائی کے وقت تین سو ساتھیوں کا دغا دے جانا مسلمانوں کے لئے کتنی بڑی آزمائش تھی۔ لیکن

# درس قرآن

(ڈاکٹر عبدالرشید وقار)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ○ (المنٰفقون)

ترجمہ! "اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لئے مغفرت طلب کرے تو انکار سے اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور تو ان کو دیکھے گا حاضر ہونے سے رک رہے ہیں تکبر کرتے ہوئے"۔

تشریح! انسان کی نیت کا اظہار اس کے عمل سے ہوتا ہے۔ خواہ زبان پر کچھ ہی ہو۔ آغاز اسلام سے ہی مسلمانوں کے اندر ایک طبقہ ایسا موجود رہا ہے جس نے اسلام اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ یہ طبقہ مسلمان کے ساتھ اس لئے چمٹا رہا کہ جب بھی مسلمانوں کو کوئی کامیابی حاصل ہو تو اس سے مستفید ہو سکیں اور ظاہرا" اپنے آپ کو مسلمانوں کے خیر خواہ کے طور پر نمایاں کر سکیں۔ لیکن دل میں مذہب اسلام اور اس کے پیروکاروں کے لئے حسد اور بغض و عناد کی آگ بھڑکتی رہی۔

رسول اللہ ﷺ جب تک دنیا میں تشریف فرما رہے ان لوگوں کی منافقت کا پردہ چاک ہوتا رہا مگر جب وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو انکی نشان دہی بھی ختم ہو گئی اور ان کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ مسلمانوں کو ان کے خبث باطن کی آگاہی اسی وقت ہوئی جب وہ اپنا مقصد حاصل کر چکے مندرجہ بالا آیت رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کے بارے میں نازل ہوئی۔

ہجرت کے بعد مسلمانوں اور یہودیوں میں معاہدہ ہو چکا تھا کہ مدینہ پر حملہ کی صورت میں وہ ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ جنگ بدر کے بعد جنگ احد کا واقعہ پیش آیا حضور ﷺ کے ساتھ صرف ایک ہزار کا لشکر تھا۔ جبکہ قریش 3 ہزار جنگجوؤں کے ساتھ کیل کانٹے سے لیس ہوئے میدان میں اترے تھے۔ عین جنگ کے موقع پر ابن ابی اپنے تین سو آدمی جو اسکے حواری تھے لیکر الگ ہو گیا اور مدینہ واپس لوٹ آیا آپ تصور میں لائیں کہ اس وقت مسلمانوں پر کیا گزری ہو گی۔ جب کہ مسلمانوں کی تعداد پہلے ہی کم تھی۔ عین لڑائی کے وقت تین سو ساتھیوں کا دغا دے جانا مسلمانوں کے لئے کتنی بڑی آزمائش تھی۔ لیکن

ابن ابی کو ذرا بھی شرم نہ آئی۔ اس کا نفاق جس کو وہ ایک عرصہ سے چھپائے ہوئے تھا مسلمانوں پر ظاہر ہو گیا۔ جنگ احد میں مسلمانوں کی ذرا سی غلطی سے بھاری جانی نقصان ہوا۔ حضور ﷺ کے جانثار چچا اور بازوئے شمشیرزن حضرت حمزہؓ بھی شہید ہو گئے۔ جنگ بدر کی کامیابی سے مسلمانوں کی جو دھاک بیٹھی ہوئی تھی اس کے اثرات بھی ماند پڑ گئے۔

مدینہ شریف پہنچ کر حضور ﷺ جمعہ کے روز مسجد میں تشریف لائے تو عبداللہ ابن ابی نے وہی جملے دہرائے جو ہر جمعہ کو حسب معمول دہرایا کرتا تھا۔ اس نے کہا "بھائیو آپ کے درمیان اللہ کے رسول ﷺ جلوہ فرما ہیں۔ ان کی ذات سے اللہ نے ہمیں عزت و شرف بخشا ہے ان کے ہر ارشاد کو غور سے سنیں اور اس پر عمل کریں۔ دل و جان سے ان کی تائید کریں" مسلمانوں کو اس کی یہ بات پسند نہ آئی۔ ایک مسلمان نے اسے جھڑک کر کہا بدبخت بیٹھ جاؤ تمہارے منہ سے یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ اس نے اس جھڑک کو اپنی توہین سمجھا اور بڑبڑاتا ہوا لوگوں کے سروں سے پھلانگتا ہوا مسجد سے باہر نکل گیا۔ مسجد کے دروازے پر ایک انصاری نے کہا اب بھی وقت ہے تمہارا کچھ نہیں بگڑا۔ تم رسول اللہ ﷺ سے معافی مانگ لو اور ان سے اپنے لئے استغفار کراؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے گا۔ اس نے جواب میں کہا "میں تمہارے کہنے پر ایمان لایا۔ تمہارے کہنے پر زکوٰۃ دی۔ کیا اب میں ان کو سجدہ کروں"۔ میں معافی مانگنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں، قسمت اچھی ہوتی، بخت بیدار ہوتا تو در اقدس پر حاضر ہو کر معافی مانگ لیتا۔ عاقبت سنور جاتی۔ اللہ تعالیٰ اس کے جرائم پر قلم عفو پھیر دیتا۔ لیکن ازلی بدبخت نے سر کو گھمنڈ کے ساتھ جھٹکا دیا اور کہا کہ میں معافی کے لئے کسی قیمت پر بھی ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔ منافق کا ذہن ہمیشہ غلط راستہ پر چلتا ہے۔ رب العزت کی سنت یہ ہے کہ ہدایت صرف اس کو دیتے ہیں جو ہدایت کا طلب گار ہو۔ جو ہدایت سے منہ پھیر لے ہدایت اس کے پیچھے پیچھے نہیں دوڑتی۔

عبداللہ بن ابی نے بارگاہ نبوت میں حاضری اور اپنی مغفرت کی دعا کرانا کسر شان سمجھا۔ ہمارے معاشرہ میں آج بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور نیک اعمال پر بڑے نازاں ہیں یہ ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ حبیب کبریا کے در کرم پر حاضر ہو کر اپنی جھولی رحمتوں سے بھر لیں مغفرت کرا لیں۔ خود بھی اس سعادت سے محروم رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی محروم رکھنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں اپنے اس عمل کو توحید کا معیار قرار دیتے ہیں۔ وہ ذرا اس آیت پر غور فرمائیں ان کا یہ عمل ابی سے مشابہ تو نہیں۔

اللہ کریم ہمیں اپنے محبوب ﷺ کے در اقدس کی حاضری نصیب فرمائے اور اس حاضری کو ہمارے گناہوں کا کفارہ بنائے۔ (آمین)

# درس حدیث

(رانا محمد اعجاز)

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البخیل الذی ذکرت عندہ فلم یصل علی

ترجمہ! "حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اصلی بخیل اور کنجوس وہ آدمی ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود بھی نہ بھیجے"۔

اس حدیث مبارکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ اس سے بڑا بخیل کوئی نہیں ہو سکتا جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ عام طور پر بخیل ایسے آدمی کو سمجھا جاتا ہے جو دولت کے خرچ کرنے میں بخل کرے اس حدیث مبارکہ میں بہت بڑا بخیل اس آدمی کو کہا گیا ہے جس کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آئے اور وہ زبان سے درود کے دو کلمے کہنے میں بھی بخل کرے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی کوئی نشست اور مجلس ایسی نہیں ہونی چاہئے جو ذکر الٰہی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام سے خالی رہے۔

اگر زندگی میں ایک بھی نشست ایسی ہوئی تو قیامت میں اس پر باز پرس ہوگی اور اس وقت حسرت اور پشیمانی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ یعنی ایمان کی تکمیل اس وقت ممکن ہے جب کہ بندہ ذکر الٰہی کے ساتھ ساتھ درود و سلام کو بھی کثرت سے ادا کرے مذکورہ بالا حدیث میں درود و سلام نہ بھیجنے والے کو بہت بڑا بخیل کہا گیا ہے۔ اس کے برعکس جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہ کثرت سے درود و سلام بھیجتا ہے اس کی خوش بختی کا ایک بندہ کیسے تصور کر سکتا ہے۔

حضرت ابی بن کعب ؓ اللہ تعالیٰ سے کثرت سے دعائیں مانگا کرتے تھے ان کے دل میں خیال آیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے جو دعائیں مانگتا ہوں اور جتنا وقت اس میں صرف کرتا ہوں اس میں سے کچھ وقت رسول کریم پر صلوۃ بھیجنے کے لئے مخصوص کر دوں اس بارے میں جب انہوں نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں کتنا وقت اس کے لئے مخصوص کروں۔ تو آپ ﷺ نے اپنی طرف سے وقت کا کوئی تعین مقرر نہیں کیا بلکہ ان کی رائے پر چھوڑ دیا اور یہ اشارہ فرما دیا کہ اس کے لئے جتنا بھی زیادہ وقت دو گے تمہارے لئے اتنا بہتر ہو گا۔ آخر میں انہوں نے فیصلہ کیا کہ میں سارا وقت جس میں اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتا ہوں رسول کریم ﷺ پر صلوۃ بھیجنے میں صرف کروں گا۔ ان کے اس فیصلے پر رسول کریم ﷺ نے بشارت سنائی کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

ذرا غور کریں کہ جس بندے کا یہ حال ہو کہ وہ اپنی ذاتی دعاؤں کی جگہ بھی رسول کریم ﷺ پر صلوۃ بھیجے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے کچھ نہ مانگے صرف رسول کریم ﷺ کے لئے صلوۃ کی استدعا کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی کس قدر صلوت و برکات رحمتوں اور عنائتوں کی موسلا دھار بارش ہو گی۔ جس کا لازمی اثر اور انجام یہی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بلا مانگے اس کی چاہتیں اور ضرورتیں پوری کر دے گی اور گناہوں کے اثرات سے وہ بالکل پاک صاف کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رسول کریم ﷺ کے ارشادات پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی توفیق نصیب کرے آمین۔

☆☆☆☆☆----☆☆☆☆☆----☆☆☆☆☆

# خطوات الشیطان

قلم محمد صدیق ڈار توحیدی

شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حضور جس انداز فکر اور طرز عمل کا مظاہرہ کیا اس کا انجام یہ ہوا کہ اسے مردود قرار دے کر قرب الٰہی کے مقام سے ہٹا دیا گیا۔ انسان کی زندگی کا تو مقصود ہی یہ ہے کہ وہ دوسری تمام مخلوق سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور دیدار حاصل کرے۔ اب یہ سمجھ لینے کی بات ہے کہ جس سوچ اور رویے کی بنا پر ایک مقرب بارگاہ کو دائمی ملعون بنا دیا گیا اس طرح کا رویہ اختیار کرنے والا انسان کیونکر قرب خداوندی حاصل کر سکتا ہے۔ قرب و دیدار کی عظیم دولت اور اعلیٰ ترین نعمت تو ان متقین سابقین کے حصہ میں آئے گی جو شیطان کی روش سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بندگی کے صراط مستقیم پر چلنے کی ہمت رکھتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی راہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

یایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافه ولا تتبعوا خطوت الشیطن انه لکم عدو مبین ○ (البقرۃ - 208)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اسلام یعنی اللہ کی اطاعت میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان کے نقوش پا پر مت چلو۔ بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے"

اس آیت مبارکہ میں حکم دیا گیا ہے کہ اپنی پوری زندگی کے ہر ہر شعبہ پر اللہ کی حکمرانی تسلیم کر لو۔ اگر تم دائرہ اسلام سے باہر نکلنے کی غلطی کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر والے دائرہ اسلام کو ایک قلعہ سے تشبیہ دیتے ہوئے ایک مثال بیان فرمائی کہ کوئی شخص ہو جس کے دشمن اسکا پیچھا کر رہے ہوں اور وہ ان سے جان بچانے کے لئے بھاگ رہا ہو۔ اچانک اس کے سامنے ایک قلعہ آ جائے اور وہ اس میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لے اور اس کا دشمن ناکام و نامراد ہو جائے۔ وہ دشمن شیطان اور اس کا گروہ ہے اور وہ محفوظ قلعہ اللہ کا ذکر ہے۔ گویا اسلام ہی وہ مضبوط قلعہ ہے جو مومن کو شیطانی حملوں سے محفوظ و مامون رکھ سکتا ہے۔ قرآن کریم کے توسط سے اللہ تعالیٰ اولاد آدم کو بار بار تاکید فرماتے ہیں

کہ شیطان کی بندگی سے بچو' اس کے ساتھ دوستی مت لگاؤ اور اس کا اتباع ہرگز نہ کرو ورنہ وہ تمہیں بھی اپنے ساتھ جہنم میں لے جائے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان احکام پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ کسی عام انسان کی نہ تو کبھی شیطان سے ملاقات ہوئی ہے کہ اس کا دوست بن جائے' نہ ہی وہ کسی شیطانی معبد میں جا کر اس کے بت کے سامنے سر بسجود ہوتا ہے اور نہ ہی وہ شیطان سے منسوب کسی کتاب میں دی گئی ہدایات پر چلتا ہے۔ اس لئے شیطان کے نقوش پا کی واضح نشاندہی نہایت ہی ضروری ہے کیونکہ انسانوں کی کثیر تعداد ارادی یا غیر ارادی طور پر اللہ کی محبت و اطاعت کے صراط مستقیم کو چھوڑ کر ان ٹیڑھے میڑھے راستوں پر ہی چل رہی ہے جو شیطان نے انسان کو گمراہ کرنے کے لئے بنا رکھے ہیں۔ انسان جب اپنے خالق کے آئین کو نظر انداز کر دیتا ہے تو شیاطین کا اس کے نفس کے ساتھ رابطہ مضبوط ہو جا
ہے۔ وہ سمجھتا یہی ہے کہ میں اپنی مرضی کے مطابق چل رہا ہوں لیکن یہ اس کی غلط فہمی اور نفس کا دھوکہ ہوتا ہے۔ جن خیالات کو وہ اپنے اندر سے ابھرتا ہوا محسوس کر کے ضمیر کی آواز کا نام دیتا ہے وہ حقیقت میں اس کے نفس کے اندر ڈالے گئے شیطانی خطرات و وساوس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب میں تو صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ جو انسان اللہ کی راہ سے ہٹ جاتا ہے اس پر ایک شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

ومن یعش عن ذکر الرحمن نقیض له شیطان فهو له قرین ○ (الزخرف 36)

اور جو اللہ کے ذکر سے آنکھیں بند کر لے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس
ساتھی ہو جاتا ہے''۔

ابلیس کے نقوش پا اللہ کے سیدھے راستہ میں چھپائی گئی بارودی سرنگوں کی مانند ہیں کہ جس نے بھی ان پر قدم رکھا وہ برباد ہو گیا۔ شیطان کی خطرناک اور ایمان لیوا چالوں سے ہم اللہ قوی وعز
کی پناہ مانگتے ہیں اور ان کی نشاندہی کے لئے اس کی مدد طلب کرتے ہوئے اس کی پاک کتاب قرآ
مجید فرقان حمید کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کتاب مقدس میں شیطان کا ذکر سب سے پہلے
ارواح میں ہونے والے اس واقعہ کے بعد سامنے آتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فر
کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ سب نے اس حکم کی تعمیل کی لیکن ابلیس نے حضرت آدم
السلام کی برتری تسلیم کرنے اور اسے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ قرآن کریم کے شروع ہی میں

ہے۔

واذ قلنا للملکه السجدو لادم فسجدوا الا ابلیس ابی واستکبر وکان من الکفرین ○ (البقرہ۔ 34)

"اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آ کر کافر بن گیا"۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جب خلافت ارضی کا منصب حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرما دیا تو اس پر شیطان نے جو رد عمل ظاہر کیا قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اس کا ذکر آیا ہے۔ ان کا بغور مطالعہ کرنے سے جو نکتے واضح ہوتے ہیں ان کو ہم علیحدہ علیحدہ ترتیب سے بیان کریں گے تاکہ یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جائے کہ ابلیس کا ہر نقش قدم گمراہی کا منبع اور فساد کی جڑ ہے۔

(1) ابلیس نے بغاوت کی ابتدا کرتے ہوئے سب سے پہلا قدم جو اٹھایا وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ اس واضح حکم کی بلا چوں و چرا اطاعت ہونی چاہئے تھی۔ اس سے سبق حاصل کرتے ہوئے ہمیں بھی محتاط رہنا چاہئے کہ اللہ کے دئے ہوئے کسی بھی حکم کی ہم سے خلاف ورزی سرزد نہ ہونے پائے ورنہ ابلیس کی طرح ہم بھی اللہ سے دور ہوتے جائیں گے۔

(2) اوپر دی گئی آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ اس نے انکار کیا اور غرور و تکبر میں آ کر کافر بن گیا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ اگرچہ ابلیس نے معروف ارکان ایمان یعنی اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، رسولوں، کتابوں اور یوم آخرت میں سے کسی ایک کا بھی انکار نہیں کیا تھا پھر بھی اسے کافر قرار دیا گیا ہے۔ ہم میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے واضح دو ٹوک اور بار بار تاکید کئے گئے احکام کی تعمیل سے غافل ہو چکے ہیں ان کے لئے یہ واقعہ ایک انتباہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے نماز کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کر دی وہ کافر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی ہو جانا لیکن اس پر شرمساری کا اظہار کرنا ایک علیحدہ معاملہ ہے لیکن اللہ رب العالمین کے مقرر کردہ فرائض کی فرضیت کو تسلیم نہ کرنا یا فرض مانتے ہوئے بھی تکبر کی وجہ سے ان کی ادائیگی سے انکار کر دینا انسان کو کافر بنا دیتا ہے۔

(3) جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے پوچھا کہ تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں

ہوا تو اس کا جواب یہ تھا۔

قال لم اکن لاسجد لبشر خلقتہ من صلصال من حما مسنون○ (الحجر۔33)

"ابلیس نے کہا میں ایسا نہیں ہوں کہ اس بشر کو سجدہ کروں جس کو آپ نے کھنکھناتے سڑے گارے سے پیدا کیا"۔

ابلیس نے تکبر کی وجہ سے مٹی گارے کو ادنی جانا۔ کسی بھی مخلوق کو حقیر جاننا اور اس پر اعتراض کرنا اس کے خالق پر اعتراض کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے ظاہر پرستی کا مظاہرہ کیا کیونکہ اس نے نہ تو مٹی کے اندر چھپی ہوئی طاقتوں اور برکتوں پر غور کیا اور نہ ہی اس باطنی فضیلت اور استعداد کا عرفان حاصل کر سکا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی اس انداز فکر نے انسانوں میں بھی جو ہر قابل کی بے قدری اور مردم ناشناسی کو فروغ دیا ہے۔ زبانی دعووں، جسمانی رعب داب، ظاہری شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ کو ہی عزت و عظمت کا معیار سمجھ کر کردار و شرافت اور زہد و تقویٰ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے عنان اقتدار نااہل لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جاتی اور اللہ کی زمین میں فساد پھیلتا ہے۔

(4) ایک دوسرے مقام پر اسی واقعہ کو ذرا مختلف انداز سے یوں بیان کیا گیا ہے۔

قال ما منعک الا تسجد اذ امرتک قال انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین○

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میں نے تجھے حکم دیا تو پھر کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا۔ اس نے کہا میں اس سے افضل ہوں مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے" (الاعراف۔ 12)

اس آیت کے پہلے حصے میں ہی ایک اصولی سبق ہے کہ جب اللہ تعالیٰ خود کوئی حکم فرما دیں تو اس کی تعمیل کی راہ میں کسی بھی چیز کو حائل نہیں ہونا چاہئے بندے کا کام ہی یہ ہے کہ اپنے آقا کے حکم کو ذوق و محبت کے ساتھ فوری طور پر بجا لائے اور اللہ کے حکم کی بجا آوری کی راہ میں حائل ہونے والی تاویلوں کو اپنے نزدیک بھی پھٹکنے نہ دے۔

(5) آگ اور مٹی دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ہر قسم کی فضیلت اور خیر و خوبی اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے جتنی اور جیسی چاہے عطا فرما دے۔ ابلیس نے اپنے زعم میں خود ہی آگ کو بہتر جان کر پیدائشی فضیلت کا راگ الاپا اور رنگ و نسل کی بنیاد پر

افتراق پیدا کرنے کی طرح ڈالی۔ ابلیس کے بوئے ہوئے اس شجر خبیثہ کی وجہ سے انسانیت جو ایک کنبہ کی طرح ہونی چاہئے تھی رنگ، نسل، زبان اور وطن کے بتوں کی پرستش کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے۔ ایک ہی باپ کی اولاد ہونے کے ناطے سے بھائیوں کی طرح مل جل کر رہنے کی بجائے باہم دست بگریباں ہے۔ اس فتنہ امن سوز نے انسانی تاریخ کو ظلم و ستم کی ان گنت داستانوں اور خوں ریز جنگوں سے داغدار کر رکھا ہے۔

(6) ہر مخلوق کا وجود اور اس کے اندر موجود ہر خیر و خوبی اس کے خالق کی مرہون منت ہوتی ہے اس لئے کسی بھی مخلوق کے لئے یہ روا نہیں ہے کہ اللہ کی عطا کی ہوئی صلاحیتوں کو ذاتی جان کر عجب و غرور میں مبتلا ہو جائے۔ اوپر دی گئی آیت مبارکہ میں ابلیس اس حقیقت کو تسلیم بھی کر رہا ہے کہ مجھے آپ ہی نے آگ سے پیدا فرمایا اور آدم علیہ السلام کو آپ ہی نے مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔ ان الفاظ ہی سے یہ امر واضح ہو رہا ہے کہ اسکا آگ سے پیدا کیا جانا کسی استحقاق کی بنا پر نہیں بلکہ محض اللہ کی مرضی پر منحصر تھا۔ لیکن ابلیس کا اس امر کو اللہ کی قدرت اور کمال ماننے کی بجائے اپنی ذاتی خوبی سمجھ لینا ہی کفر کا ارتکاب تھا۔ انسان کو بھی چاہیے کہ اپنی تمام تر اہلیتوں اور صلاحیتوں کو بڑی عاجزی کے ساتھ اپنے خالق و مالک کی عطا سمجھے اور کبھی غرور میں مبتلا نہ ہو۔ دنیوی زندگی میں جو عزت، دولت اور مقام و مرتبہ ملے اسے بھی اللہ رحمن و رحیم کی عطا تصور کرے۔ اللہ کے احسانات اور اس کی بے حد و بے شمار نعمتوں کے لئے اس کی حمد و ثنا کرتا رہے اور انہیں اپنے لئے امتحان اور آزمائش جانے۔ اسلام کی تعلیم کا یہ نہایت اہم پہلو ہے کہ انسان اپنے آپ کو مال و دولت کا مالک نہیں بلکہ امین جانے اور اللہ کی ہدایت کے مطابق اس میں تصرف کرے۔ اپنی جان اور مال کا مالک اللہ کو تسلیم کرنا ایمان کا تقاضا ہے اور انہیں ذاتی ملکیت سمجھ کر اپنی من مانی کرنا کفر کی راہ اور دنیا میں فساد کا باعث ہے۔

(7) ابلیس نے اللہ کی حکم عدولی کی تو ایک ادنیٰ مخلوق کی حیثیت سے اس کے لئے مناسب رویہ یہ تھا کہ اپنے کیے پر نادم ہو کر اللہ رحیم و کریم سے مغفرت طلب کرتا۔ لیکن اس نے توبہ کرنے کی بجائے اپنے غلط اقدام کے حق میں منطقی دلائل دینے شروع کر دیے جس کا انجام یہ ہوا کہ اللہ نے ہمیشہ کے لئے اس پر لعنت مسلط کر دی۔ اس کے برعکس جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواؑ سے ممنوعہ درخت کا پھل کھا لینے کی خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے اپنی غلطی تسلیم کر کے

اللہ سے مغفرت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ اس لئے اولاد آدم علیہ السلام کو ہوشیار رہنا چاہئے کہ ابلیس کا اتباع کرتے ہوئے اپنے گناہوں کے جواز میں بہانے اور دلیلیں پیش کر کے اللہ کی رحمت سے دور نہ جا پڑیں بلکہ اپنے باپ کی راہ پر چلتے ہوئے اپنے گناہوں پر صدق دل سے توبہ کر کے معافی مانگ لیا کریں۔ یقیناً" اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے اور خاطیوں' خطاؤں اور گناہوں کو معاف کر دینے والے ہیں۔

(8) ابلیس نے اپنے آپ کو نہ صرف آدم علیہ السلام بلکہ ملائکہ کی جماعت سے بھی بہتر اور افضل گمان کیا۔ اس کی سوچ اگر اس طرح کی نہ ہوتی تو وہ فرشتوں کا ساتھ دیتے ہوئے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا حالانکہ فرشتے نوری مخلوق ہیں اور ابلیس آگ سے پیدا کیا گیا تھا۔ وہ خود بینی کی دلدل میں ایسا پھنسا کہ نور اور نار کے فرق کو بھی بھول گیا۔ ذاتی فضیلت کا بھوت اس پر اسطرح سوار ہوا کہ فرشتوں کی مقدس جماعت پر نااتفاقی اور نافرمانی کا داغ لگا کر ان سے علیحدہ ہو گیا۔ انسانوں میں بھی ہمچو ما دیگرے نیست کے جنون میں مبتلا ہو کر اپنے ہی توہمات میں گرفتار ہو کر رہ جانے والے بہت سے لوگ پائے جاتے ہیں۔ وہ ہر ایک پر اپنی فضیلت اور بزرگی کا رعب جھاڑتے اور اپنے ہر کام اور کلام کے لئے داد کے طالب ہوتے ہیں کسی امیر کے تحت ہو کر کام کرنا یا کسی تنظیم کے قواعد و ضوابط کا پابند ہو کر رہنا ان کی آزاد طبیعت پر بہت گراں گزرتا ہے وہ ہر جگہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا کر رہنا پسند کرتے ہیں اور بدنظمی کا باعث بنتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے دست شفقت کے سائے سے جو کہ جماعت پر ہوتا ہے محروم رہ جاتے ہیں۔

(9) شیطان نے اللہ احکم الحاکمین کی نافرمانی کر کے لعنت کا طوق گلے میں پہن لیا۔ خود وہ گمراہ اور مردود ہوا ہی تھا لیکن اسی پر بس نہیں کی بلکہ ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے والی روش کا انتخاب کیا اور اولاد آدم کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹانے کے لئے سرگرم عمل ہو گیا۔ چنانچہ اس نے اس منفی اور تخریبی مشن کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ سے طویل مہلت طلب کر لی۔ ابلیس کے ڈالے ہوئے وساوس کے زیر اثر بعض انسان بھی اسی روش پر چل نکلتے ہیں۔ جب ان کے اپنے قلبی اور روحانی امراض حد سے بڑھ جاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ وہ اپنے خالق و مالک رب کی طرف رجوع کریں وہ اپنے باطل عقائد پر اڑ جاتے ہیں اور اس طرز زندگی کو اپنی انا اور غیرت کا مسئلہ بنا کر اسی کے مبلغ بن کر دوسروں کی گمراہی کا باعث بنتے ہیں۔ پوری کی پوری قومیں جس

تہذیب و تمدن کی وجہ سے خود غرق ہو رہی ہوتی ہیں۔ وہ ہزار جتن کر کے دوسروں کو بھی یہی زہر کھلانا چاہتی ہیں۔

(10) اللہ تعالیٰ چونکہ ہر شے کو عدم سے وجود میں لاتا ہے اس لئے تمام مخلوق کا حقیقی مالک اور معبود اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں بار بار یہ حکم آتا ہے کہ اے لوگو اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ کیونکہ مخلوق کے لئے یہی روا ہے کہ اپنے خالق کے ہر حکم پر اپنا سر بلا چوں و چرا خم کر دے۔ ابلیس نے اس روش کو چھوڑ کر آزادی افکار کی راہ اپنالی۔ اس نے اپنے خالق کے عشق کا دامن چھوڑ کر عقل و خرد کو اپنا امام بنا لیا تو راہ راست سے بھٹک گیا۔ اس نے اللہ کے حکم کے مقابلے میں اپنی ناقص رائے کو اولیت دے کر تکبر کا ارتکاب کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عقل اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے لیکن اس کا ایک متعین مقام اور محدود میدان ہے اور اسے اس کے اندر اور وحی الٰہی کے تحت رہ کر کام کرنا ہی زیب دیتا ہے۔ انسان کیا ہے' اسے کس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا' یہ کہاں سے آتا ہے اور مرنے کے بعد کہاں چلا جاتا ہے اس قسم کے سوالات کا جواب دینا عقل کے دائرہ کار میں نہیں ہے۔ اس لئے کامیابی اور فلاح کے لئے ضروری ہے کہ انسان ابلیس کی طرح بغاوت کی دلدل میں نہ پھنسے اور اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے رحمت بھرے آئین پر حضور ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرے۔ اس کے بغیر زندگی کے کسی بھی شعبہ میں حسن و توازن پیدا نہیں ہو سکتا۔ عقل و خرد تو اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ابھی تک مادی اشیاء کی حقیقت اور کنہ تک نہیں پہنچ پائی اس سے مادہ سے ماورا حقیقتوں کا جواب طلب کرنا عبث ہے۔ فیضان سماوی کو نظر انداز کر کے عقل نارسا کو اپنا راہنما بنانی والی قوم کا انجام کار ضلالت کے اندھیروں میں گم ہو کر اللہ کے غیض و غضب کی سزاوار ٹھہرے گی کیونکہ یہ ابلیس کی سجھائی ہوئی راہ ہے بقول علامہ اقبالؒ

اس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ
آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

# خواجہؒ کے خطوط

## بانی سلسلہؒ کے وظائف

(مرتب۔ خالد مسعود)

گذشتہ ماہ بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے بتائے ہوئے چند وظائف قارئین کی خدمت میں پیش کئے گئے تھے۔ اس ماہ ان کی دوسری قسط تحریر کی جارہی ہے۔

### بیماری سے شفا کے لئے

(بنام اکبر مغل صاحب 71-9-29)(بنام طارق صاحب 74-2-4)(بنام محمد طالب صاحب 73-6-13
)

"آپ روزانہ نماز فجر کے بعد سورہ یاسین شریف پڑھ کر ایک گلاس پانی دم کردیں۔ دو گھونٹ اسی وقت نہار منہ پلا دیں۔ باقی پانی دن میں دو تین مرتبہ پلائیں یہ مسلسل کرتے رہیں انشاء اللہ آرام آجائے گا"

### رزق کی کشائش کے لئے

(بنام مخدوم ریاض حسین صاحب 62-2-19)

"آپ بعد نماز فجر یا بعد نماز عشاء 160 مرتبہ "یااللہ الغنی المغنی" پڑھ لیا کریں پڑھتے میں یہ یاد رہے کہ اللہ سے مخاطب ہیں اور رزق کی کشائش مانگتے ہیں آپ بھکاری ہیں اور وہ داتا ہے یہی کافی ہے"۔

### سب کچھ ملے گا

(بنام محمد قاسم صاحب 1/6/60)

"آپ کو قلبی سکون، قوت ایمانی، رزق حلال اور دنیوی اور دینی آسائشیں سب کچھ میسر آسکتا ہے بشرطیکہ پہلے اللہ پر بھروسہ کریں کہ وہ یہ سب کچھ دے دے گا۔ پہلے نماز با قاعدہ کریں۔ درود شریف (صلی اللہ علیک یا رسول اللہ) ہر نماز کے بعد دو سو مرتبہ پڑھا کریں اور باقی وقت میں اللہ اللہ کریں"۔

## گھریلو حالات کی درستی

(بیگم قاسم صاحب 10/10/65)

(1) میرے پاس عزیزی قاسم صاحب کا خط آیا تھا جس میں لکھا تھا کہ گھر کے حالات درست نہیں ہیں والدہ صاحبہ کو کوئی عمل وغیرہ لکھ دیں۔ چنانچہ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ چلتے پھرتے ہر وقت وضو سے رہا کریں اور دل میں درود شریف پڑھتی رہیں اور یہی درود شریف ہر نماز کے بعد بلند آواز سے 100 مرتبہ پڑھ کر گھر کے حالات درست ہونے کے لئے دعا مانگا کریں۔ اس کے علاوہ رات کو بعد از نماز عشاء ستر مرتبہ یہ پڑھ کر دعا کیا کریں۔

وہ عمل یہ ہے

یاحی یا قیوم بحق لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین O

کچھ دن بعد مجھے اطلاع دیں کہ حالات درست ہوئے ہیں یا نہیں۔ قاسم صاحب سے کہیں کہ وہ مجھے لکھ دیں گے۔

(2)

(بنام قاسم صاحب اکتوبر 1965ء)

والدہ صاحبہ کو کہیں کہ ہم لوگ اللہ اللہ کے سوا اور کچھ پڑھنا نہیں جانتے۔

## پریشانیوں کا علاج

(بنام قاسم صاحب 12/1/63)

(1) "آپ یہ غور کریں کہ کوئی کام حلقہ کے قواعد کے خلاف یا اللہ کے حکم کے خلاف تو نہیں کر رہے آپ یا آپ کی بیگم اگر ایسی بات ہے تو اس کو دور کر دیں۔ دوسرے جہاں تک ہو درود شریف بہت پڑھا کریں آپ بھی اور ثریا بیٹی بھی"

(2) (بنام مخدوم ریاض حسین صاحب 6/12/63)

"نماز باقاعدہ پڑھا کرو۔ ذکر سے غافل نہ ہوں۔ دنیا کی تکالیف بھی جاتی رہیں گی"۔

☆☆☆☆☆-----☆☆☆☆☆----☆☆☆☆☆

# اللہ کی بے نیازی

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

قبلہ حضرت بانی سلسلہ" اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کے بارے میں اپنی مجالس میں جو حکایات اکثر و بیشتر بیان فرمایا کرتے تھے وہ قارئین فلاح آدمیت کی نصیحت کے لئے بیان کی جاتی ہیں۔

## 1۔ مسور کی دال

"حضرت بایزید بسطامی" اپنے زمانے کے بہت بڑے بزرگ تھے برسہا برس دنیا سے لا تعلق ہو کر جنگلوں اور بیابانوں میں پھرتے رہے۔ آپ بہت ہی بلند پایہ صوفی اور عارف باللہ تھے۔ سنت رسول اللہ ﷺ کے اسقدر پابند تھے کہ ساری عمر خربوزہ اس لئے نہ کھایا کہ یہ ثابت نہ ہو سکا کہ حضور ﷺ نے اسے توڑ کر کھایا یا کاٹ کر۔ آپ سب کچھ چھوڑ کر اللہ کے ہو کر رہ گئے اور اللہ کی توحید پر ناز کیا کرتے تھے۔ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا بایزید! ہمارے لئے کیا تحفہ لائے ہو؟ آپ نے عرض کیا کہ اللہ میاں آپ کی توحید کا تحفہ لایا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ وقت یاد کرو جب رات کو تم نے مسور کی دال کے ساتھ روٹی کھائی اور رات کو پیٹ میں درد ہوا تو سب کو یہی بتاتے تھے کہ رات کو مسور کی دال کھائی اس کی وجہ سے درد ہوا ہے تم یہ بتاؤ کہ پیٹ میں درد پیدا کرنے والے ہم تھے یا مسور کی دال؟ تم نے مسور کی دال کو ہمارا شریک ٹھہرایا اور ہمارے سامنے توحید کا دعویٰ کرتے ہو؟ بایزید" عرق ندامت میں ڈوب گئے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور رحمت کی درخواست کی تو نجات ملی"۔

## (2) دو گلاس پانی

"اسی طرح اللہ کے ایک نہایت ہی متقی اور عابد و زاہد بندے تھے۔ جب سے ہوش سنبھالا قائم اللیل اور صائم النہار تھے اور کئی مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہو

چکے تھے۔ اپنی عبادت پر بھروسہ کرتے ہوئے دل میں یہ گمان کر بیٹھے کہ اب تو بخشش ہو ہی جائے گی۔ جب فوت ہوئے اور اللہ کے سامنے پیش کئے گئے تو اللہ جو علیم بذات الصدور ہے نے دیکھتے ہی فرمایا کہ اسے فلاں مقام پر پہنچا دیا جائے۔ فرشتوں نے انہیں اٹھایا اور ایک تپتے ہوئے لق و دق صحرا میں جا کھڑا کیا جہاں دور دور تک کسی سائے یا پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ تھوڑی دیر میں ہی گرمی نے رنگ دکھایا تو شدت کی پیاس لگی اور زبان بھی سوکھ گئی ایک فرشتہ سامنے آیا تو اس سے فریاد کرنے لگے کہ ایک گلاس پانی کہیں سے لا دو اس نے کہا پانی تو مل جائے گا لیکن "قیمتاً" ملے گا۔ انہوں نے کہا میرے پاس تو کوئی پیسہ وغیرہ نہیں ہے۔ فرشتے نے کہا یہاں پیسہ چلتا بھی نہیں۔ آپ اپنی آدھی عمر کی نیکیاں دے دیں تو ایک گلاس پانی فوراً مل جائے گا۔

حضرت صاحب کچھ دیر تو تذبذب میں پڑے لیکن جب دیکھا کہ دم نکلنے لگا ہے تو مان گئے فرشتے نے ٹھنڈے پانی کا گلاس پیش کر دیا اور وہ ایک ہی سانس میں پی گئے ذرا جان میں جان آئی اور طبیعت سنبھل گئی۔ لیکن پھر وہی صحرا تھا اور آگ برساتی دھوپ تھی۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے پھر پانی مانگنا شروع کر دیا۔ فرشتے نے کہا کہ باقی کی نیکیاں بھی دے دو اور ٹھنڈے پانی کا گلاس پی لو۔ جب پیاس کی شدت برداشت سے باہر ہونے لگی تو انہوں نے دوسرا گلاس بھی نوش جان کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے میرے سامنے حاضر کرو۔ جب حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بس اسی عبادت پر تجھے ناز تھا جس کو تو نے اپنے ہاتھوں سے دو گلاس پانی کے عوض فروخت کر دیا۔ تم نے ساری زندگی جو منوں اور ٹنوں کے حساب سے ہمارا پانی استعمال کیا اس کی قیمت کون دے گا اور دوسری انگنت نعمتوں کا حساب کیسے چکاؤ گے۔ اس پر وہ اللہ کا بندہ سجدے میں گر کر معافی مانگنے لگا اور اللہ سے اس کا فضل اور اسکی رحمت طلب کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جاؤ ہم تجھے اپنے فضل سے جنت میں داخل کرتے ہیں۔ اس لئے اپنی عبادت اور بزرگی کا کبھی گھمنڈ نہ کرو۔ اللہ کے عاجز بندے بن کر رہو اور اس سے مغفرت اور فضل و رحمت مانگتے رہا کرو"۔

(دوسری قسط)

# حضرت رسالدار محمد حنیف خاںؒ

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

حضرت رسالدار محمد حنیف خاںؒ ہندوستان کی ریاست پٹیالہ کے قصبہ مہندر گڑھ کے رہنے والے تھے۔ آپ اویسی بزرگ تھے یعنی آپ نے کسی زندہ بزرگ سے بیعت نہیں کی تھی۔ بچپن ہی سے آپ کی والدہ ماجدہ نے انہیں درود شریف کا ورد کرنے کی تلقین فرمائی تھی اور وہ اسے تسبیح پر پڑھا کرتے تھے۔ فوج کی سروس میں ڈیوٹی کے دوران بھی جیب میں تسبیح رکھتے اور گھڑ سواری کے دوران بھی اس پر ورد جاری رکھتے۔ اس پر افسران نے اعتراض کیا تو نوکری چھوڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ آپ کی قابلیت کے پیش نظر انگریز افسروں نے انہیں اجازت دے دی کہ تسبیح چلاتے رہیں۔ قبلہ انصاری صاحبؒ فرماتے تھے میں نے ان سے کئی مرتبہ پوچھا کہ آپ کونسا درود شریف پڑھتے ہیں لیکن انہوں نے بتایا نہیں۔ بس یہی کہتے تھے کہ چھوٹا سا ہے۔ اتنا سا ہے۔ ملازمت کے دوران ان کا تبادلہ سیالکوٹ چھاؤنی میں ہو گیا۔ دوسرے یار لوگ تو شام کے بعد بازار کی سیر کو نکل جاتے لیکن آپ حضرت امام علی الحقؒ کی مسجد میں چلے جاتے۔ وہاں عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد امام صاحب کے مزار کے نزدیک بیٹھ کر درود شریف اور دوسرے مسنون وظائف پڑھتے رہتے۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک دن میں حسب معمول اندھیری جگہ میں بیٹھا آنکھیں بند کئے وظیفے میں مشغول تھا۔ جب آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھا کہ میرے سامنے ایک بزرگ کھڑے ہیں میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ڈرو نہیں تم تو بڑے اچھے بچے ہو مجھے نہیں جانتے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نہیں جانتا انہوں نے فرمایا کہ میں علی الحق ہوں اور ادھر ہی رہتا ہوں۔ انہوں نے مجھے پکڑ کر اپنے سینے سے لگایا اور میرا کام کر دیا۔ اس طرح آپ کو امام علی الحقؒ سے اویسیہ نسبت حاصل ہو گئی۔ بانی سلسلہ توحیدیہؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام علی الحقؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غالباً پانچویں پشت میں سے تھے وہ کسی مہم پر جہاد کے لئے آئے ہوئے تھے کہ سیالکوٹ میں شہید ہو گئے ان سے رسالدار صاحب کو براہ راست فیض مل گیا اور ان سے ہمیں ملا۔ اس طرح روحانی فیض کے لحاظ سے ہم ساتویں پشت بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانے میں یہ رنگ اور کہیں نہ ملے گا۔

سلسلوں میں بیعت کے لحاظ سے تو اب چالیسویں پشت چل رہی ہو گی جنہیں پہلے زمانے کا خالص مال مل گیا۔

گزشتہ قسط میں ہم نے بانیٔ سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی حضرت رسالدار صاحبؒ سے بلگام میں ملاقات کا ذکر کیا تھا۔ اس کے بعد حالات ہم پھر سے قبلہ حضرتؒ کی زبانی بیان کرتے ہیں۔

"میں تو واپس دلی آ گیا اور رسالدار صاحبؒ اپنی ٹریننگ مکمل کر کے بنوں چلے گئے آپ حسب وعدہ جب بھی چھٹی آتے تو پہلے مجھے مل کر پھر گھر جاتے اور واپسی پر دوبارہ میرے ہاں قیام کرنے کے بعد اپنی یونٹ کو جاتے۔ وہ جب میرے ہاں ٹھہرتے تو ان کے معتقد حضرات اور ملنے والے احباب کی خوب محفل جمتی۔ ایک دن آپ نے مجھے پوچھا کہ بھائی جان آپ نماز نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا کہ نہیں پڑھتا ہوں اور آپ عجیب دوست ہیں کہ عرصہ ہوئے ملاقات ہوئے اور آج پوچھ رہے ہیں کہ آپ نماز نہیں پڑھتے؟ اس پر انہوں نے فرمایا کہ بھائی جان نماز تو فرض ہے اور یہ ضرور پڑھنی چاہئے میں نے عرض کیا کہ حضرت میں ان مسئلوں اور نماز کی اہمیت سے اچھی طرح آگاہ ہوں لیکن دل کا کیا کروں۔ بقول غالب

جانتا ہوں ثواب اطاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

اس پر آپ نے فرمایا کہ طبیعت نہ آنے کی آخر کوئی وجہ بھی تو ہو گی میں نے کہا کہ جناب میں پہلے آپ کی خدمت میں گزارش کر چکا ہوں کہ میں نقشبندیہ سلسلے میں بیعت تھا اور سلوک طے کر چکا تھا۔ اس وقت نماز پڑھتا تھا تو اللہ کی حضوری ہوتی تھی۔ اب نماز پڑھتا ہوں تو سامنے اینٹ پتھر کی دیوار، لوٹا یا جو تا ہوتا ہے میں ان چیزوں کو سجدہ نہیں کر سکتا نہ بے حضوری والی نماز پڑھ سکتا ہوں اگر آپ میں ہمت ہے تو آپ مجھے نماز پڑھا دیں۔ اس پر آپ نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا کہ ٹھیک ہے اب میں ہی تمہیں نماز پڑھاؤں گا۔ رسالدار صاحب جب اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کوئی بات کہہ دیتے تھے تو اگر کوئی پہاڑ بھی راستے میں حائل ہوتا تو ٹل جاتا۔ ان دنوں رسالدار صاحب نے ابھی داڑھی نہیں رکھی تھی اور نماز کی امامت کم ہی فرماتے تھے کسی ڈاڑھی والے

دوست کو جماعت کا امام بنا لیتے تھے۔ ایک دن جب وہ میرے مہمان تھے اور میرے کوارٹر کے باہر اپنے ملنے والوں کے پاس تشریف فرماتے تو مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ نے دوستوں سے فرمایا کہ اگر آپ لوگ اجازت دیں تو آج میں جماعت کراؤں۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو ہمیشہ آپ سے گزارش کرتے ہیں لیکن آپ خود ہی امامت نہیں کراتے میں اپنے کوارٹر کے سامنے چارپائی ڈالے حقے سے دل بہلا رہا تھا کہ آپ نے زور سے آواز دی۔ "بھائی جان! میں آج نماز پڑھا رہا ہوں آپ نے پڑھنی ہے تو آجاؤ" میں نے کہا کہ ابھی وضو کر کے آتا ہوں۔ جب میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ صف میں میرے بالکل پیچھے کھڑے ہو جاؤ۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اب ایسے ہی ہوا کرے گی اب نہیں چھوڑنا۔ چنانچہ میں نے نماز شروع کر دی اور پھر مولانا کریم الدین احمد ؒ کا بتایا ہوا ذکر بھی اپنے معمولات میں شامل کر لیا اس طرح کئی برسوں کے بعد میں دوبارہ اپنی لائن پر آگیا۔ اگلے برس رسالدار صاحب چھٹی آئے تو مجھے دیکھ کر بڑے خوش ہو کر فرمایا کہ ماشاء اللہ اب تو خوب رنگ چڑھا ہوا ہے کیا پڑھتے ہو میں نے عرض کیا کہ آپ تو کچھ پڑھنے کو بتاتے نہیں ہیں اس لئے میں نے اپنے پرانے سلسلے نقشبندیہ والا ذکر ہی شروع کر دیا ہے۔ آپ نے کہا کہ یہی ٹھیک ہے یہی کرتے رہیں۔ جب آپ تشریف لاتے تھے تو رات کافی دیر تک احباب کی مجلس جمتی۔ چائے کے دور چلتے اور خوب گپ شپ ہوتی۔ ایک شب ایسی ہی ایک مجلس تھی کہ آپ نے پانی منگوایا اس میں تھوڑا سا خود پیا اور گلاس والا ہاتھ آگے بڑھایا۔ نزدیک ہی ایک دوست ظہور الحسن صاحب بیٹھے تھے انہوں نے گلاس پکڑنے کے لئے ہاتھ جو آگے بڑھایا تو انہیں ایک تھپڑ رسید کیا اور گلاس میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس کا حصہ ہے۔ میں نے وہ چند گھونٹ پانی کے پی لئے۔ اللہ جانے اس ظالم نے اس میں کیا ملایا تھا کہ پانی پینے کے ساتھ ہی زن کی آواز آئی جیسے میں نے پگھلا ہوا تانبایا سیسہ پی لیا ہو۔ وہ پانی جہاں جہاں سے گزرا سب کچھ جلاتا ہوا گزرا بس اس کے بعد تو پھر میری ترقی راکٹ کی سپیڈ سے ہوئی۔ اب تو جو بھی ہمارے پاس ہے یہ رسالدار صاحب ؒ کا دیا ہوا ہے چونکہ انہوں نے ہمیں بیعت نہیں کیا اس لئے ہم اپنا شجرہ مولانا کریم الدین احمد صاحب سے ملاتے ہیں کہ وہی ہمارے روحانی مرشد تھے۔

میں بھی چند مرتبہ آپ کے ہاں مندر گڑھ گیا تھا۔ آپ کے والدین بھی دیندار اور نہایت سادہ

تھے۔ آپ کے والد کا یہ حال تھا کہ بینگن کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے پوچھ بیٹھے کہ آج کیا پکا ہے۔ کسی نے کہہ دیا کہ ارد کی دال پکی ہے تو پکار اٹھے واہ سبحان اللہ کتنے مزے کی دال ہے۔ آپ کی والدہ کے بارے میں ایک بڑے مزے کی بات سناتا ہوں ایک مرتبہ وہ میرے سامنے نماز پڑھ رہی تھیں لیکن ادھر ادھر بھی دیکھے جا رہی تھیں۔ رسالدار صاحب نے کہا اماں یہ کیا کر رہی ہو۔ خیر جب وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو رسالدار صاحب نے پوچھا کہ اماں یہ نماز میں تم ادھر ادھر کیا دیکھ رہی تھیں انہوں نے کہا بیٹا آج تو بڑی عجیب بات ہوئی کہ آج تو مجھے نماز میں خانہ کعبہ نظر ہی نہیں آیا۔ ہم نے پوچھا کہ اماں کیا تجھے ہر نماز میں خانہ کعبہ دکھائی دیتا ہے؟ تو بڑے بھولپن سے گویا ہوئیں کہ کیا دوسرے لوگوں کو نماز میں خانہ کعبہ دکھائی نہیں دیتا۔ وہ لوگ بالکل حضور ﷺ کے صحابہ کی مانند تھے ان کا اتنا بڑا مقام تھا لیکن انہیں اس کا احساس ہی نہیں تھا۔ وہ سمجھتی تھیں کہ ہر مسلمان کو نماز کے وقت کعبہ دکھائی دیتا ہے۔ حضرت رسالدار صاحبؒ بڑی ہمت والے بزرگ تھے۔ آپ کی کرامات بھی بڑی عجیب و غریب تھیں۔ ایک دفعہ تو ان کے ہاتھ سے ایک مردہ بھی زندہ ہو گیا۔ وہاں دہلی ہی میں ان کا ایک ہندو معتقد تھا وہ اچانک بیمار ہوا اور اطلاع ملی کہ وہ مر گیا ہے یہ سن کر آپ اٹھے اور مجھے کہا کہ چلو بھائی جان پنڈت جی کے گھر چلیں وہاں پہنچے تو ماتم بپا تھا۔ آپ نے سر پر کپڑا اوڑھ کر گھونگٹ سا نکال لیا اور عورتوں کے درمیان سے راستہ بناتے ہوئے پنڈت کی چارپائی تک پہنچ گئے اور اس پر پڑی ہوئی چادر اوپر اٹھا کر پنڈت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور زور سے بولے کہ سب چپ ہو جاؤ۔ پنڈت جی تو زندہ ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ رسالدار صاحب پنڈت جی کو ٹکر گئے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پنڈت جی نے آنکھیں کھول دیں۔ جب اسے رسالدار صاحب نظر آئے تو اٹھا اور ادب سے دونوں ہاتھ جوڑ کر دو زانو بیٹھ گیا۔ رسالدار صاحب نے فرمایا کہ پنڈت جی آپ بغیر بتائے ہی کہاں چل دئے تھے۔ آپ کے تعویذ بھی اپنی مثال آپ تھے اگر کوئی عورت دردزہ کی وجہ سے تکلیف میں ہوتی تو آپ ہنڈیا کا ڈھکنا لے کر اس پر عبارت لکھتے اور ہدایت دیتے کہ عورت کے سر پر اسے الٹا کر کے رکھ دو۔ اس کے رکھتے ہی بچہ پیدا ہو جاتا۔

آپ اس پر لکھتے تھے "الٹی چپنی سر پہ دھری نکل پڑا یا نکل پڑی" اسی طرح آپ کا ایک ہندو پنڈت بڑا معتقد تھا وہ جتنی دیر بھی آپ کی محفل میں رہتا ہاتھ جوڑ کر بیٹھتا۔ ایک مرتبہ آپ چھٹی

گئے تو پنڈت نے بتایا کہ اس کی پتنی بیمار ہے اور وہ ہر قسم کا علاج کرا چکا ہے لیکن اس کا خون بند نہیں ہوتا اس پر آپ نے اسے ایک تعویذ لکھ کر دیا اور کہا کہ اسے اپنی بیوی کی کمر کے ساتھ باندھ دو رسالدار صاحب جب اگلی مرتبہ چھٹی پر گئے تو پنڈت جی ملنے کے لئے حاضر ہوئے۔ رسالدار صاحب نے اس کے اہل و عیال کی خیریت دریافت کی تو پنڈت جی نے کہا کہ گھر میں ایک پریشانی ہے۔ میری بیوی کے ہاں بچہ ہونے والا ہے لیکن پیدائش کا وقت پورا ہو جانے کے باوجود کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے۔ ویدوں اور ڈاکٹروں کو بھی دکھایا ہے لیکن انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ رسالدار صاحب نے پوچھا کہ گذشتہ سال جو میں نے تعویذ دیا تھا وہ کہاں ہے۔ پنڈت جی نے کہا وہ تو میری پتنی کی کمر کے ساتھ باندھا ہوا ہے۔ آپ نے اسے کہا کہ فوراً جاؤ اور وہ تعویذ کھول کر میرے پاس لے آؤ۔ پنڈت جی تعویذ لے کر ابھی واپس آئے ہی تھے کہ ان کے گھر مبارک کا پیغام آ گیا کہ لڑکا پیدا ہوا ہے۔ رسالدار صاحب نے پنڈت جی کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا کیا تمہاری کھوپڑی کام نہیں کرتی کہ یہ تعویذ خون روکنے کے لئے باندھا تھا۔ اگر خون جاری نہ ہو تو بچہ کیسے پیدا ہو گا۔ اگر یہ تعویذ بندھا رہتا تو بچہ بھی باہر آنے کا نہیں تھا۔ رسالدار صاحب کے بڑے صاحبزادے حافظ تنویر احمد صاحب نے سوچا کہ یہ ہندو تو کافر اور نجس ہے اس کو اللہ کے نام والا یا قرآنی آیت والا تعویذ ہرگز نہیں دیا جانا چاہئے تھا۔ یہ اعتراض کرنے کی غرض سے انہوں نے کہا کہ ابا جی میں یہ تعویذ کھول کر دیکھ لوں۔ آپ نے فرمایا ہاں ہاں دیکھ لو۔ حافظ صاحب نے کھول کر دیکھا تو اس پر صرف یہ لکھا تھا "ابے او خون بند ہو جا" یہ پڑھ کر حافظ صاحب خاموش ہو کر رہ گئے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران رسالدار صاحب تو ریٹائر ہو کر گھر آ چکے تھے لیکن ان کے چھوٹے بھائی صغیر صاحب فوج میں تھے۔ شمالی افریقہ کے محاذ پر ایک مرتبہ جرمنوں نے انہیں کئی ساتھیوں سمیت قیدی بنا لیا اور وہاں فیلڈ میں ہی خاردار تاروں کی جیل میں بند کر دیا۔ انہوں نے اس قید سے فریاد کی کہ بھائی جان اگر آپ مجھے اس مصیبت سے آج رہائی دلوا دیں تو آپ کی بزرگی کو مان جاؤں گا۔ تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ انہوں نے دیکھا کہ رسالدار صاحب جرمن افسر کی وردی پہنے خاردار تاروں کے پاس گذر رہے ہیں۔ صغیر صاحب نے انہیں آواز دی تو انہوں نے چپ رہنے کا اشارہ کیا وہ آگے جرمن فوجیوں کے پاس چلے گئے تو جرمنوں نے انہیں سلام کیا اور پھر بات چیت ہوئی چند سپاہی رسالدار

صاحب کے ساتھ آئے اور تمام قیدیوں کو باہر نکال کر کھڑا کر دیا۔ رسالدار صاحب ہمیں مارچ کراتے ہوئے ان سے دور ہندوستانی افواج کی طرف لے گئے۔ پھر صغیر صاحب کو فرمایا کہ لو اب اپنے آدمی سنبھال لو وہ سامنے تمہارے مورچے ہیں یہ میدان جنگ ہے یہاں آنکھیں کھول کر رہنا چاہئے میں بار بار تمہارے لئے ہندوستان سے نہیں آسکتا۔ یہ ساری باتیں رسالدار صاحب خود کسی کو نہیں بتاتے تھے بلکہ جب صغیر صاحب کے خطوط آتے تو ان میں اس قسم کے واقعات لکھے ہوتے۔ ایک مرتبہ وہ محاذ پر صحرائی علاقہ میں موٹر سائیکل پر کسی کام کو نکلے تو واپسی کا راستہ نہ ڈھونڈ پائے۔ بے نام و نشان صحرائی راستے تھے وہ جس راہ پر جاتے آگے دشمن کے مورچے آجاتے۔ جب تنگ آگئے تو پھر رسالدار صاحب کو یاد کیا۔ آپ موٹر سائیکل پر جا رہے تھے تو دیکھا کہ رسالدار صاحب راستے میں کھڑے ہیں وہ صغیر صاحب کے پیچھے بیٹھ گئے اور راستہ بتاتے گئے جب ان کا کیمپ نزدیک آگیا تو اتر کر غائب ہو گئے۔

آپ کے پاس کوئی حاجتمند دوست دعا کے لئے آتا تو آپ فرماتے کہ اگر کام ہو گیا تو "چائے تیار" پلاؤ گے وہ کہتا کہ ہاں جی ضرور پلاؤں گا تو فرماتے کہ آپ کو پتہ بھی ہے کہ چائے تیار کیا ہوتی ہے بس یونہی کہہ دیا ہے کہ پلاؤں گا۔ پھر بتاتے کہ چائے تیار یہ ہے کہ ہر قسم کا سالن بنے گا' ہر قسم کے چاول تیار ہونگے' موسم کے سارے پھل ہونگے' ہر قسم کی مٹھائی حاضر ہوگی اور ساتھ چائے ہو گی۔ یہ ہوتی ہے چائے تیار۔ انہیں مٹھائی بہت پسند تھی۔ مٹھائی کھانے کی عادت مجھے انہی سے پڑی۔ جب پاکستان بنا تو آپ کے بھائی اور بیوی بچے سب ہجرت کر کے آگئے لیکن آپ نے یہ کہہ کر آنے سے انکار کر دیا کہ ہمیں یہاں ہی شہید ہونے کا حکم ملا ہے۔ سب گھر والوں نے بہت اصرار کیا لیکن وہ نہ مانے چنانچہ سب روتے دھوتے انہیں چھوڑ کر آگئے شہادت کے بعد مجھے روحانی طور پر ملے تو معلوم ہوا کہ آپ اللہ میاں کے پاس پہنچ گئے۔ میں ہجرت کے بعد شروع میں اپنے خاندان کے ساتھ کراچی میں مقیم تھا وہ مجھے جب بھی ملتے یہی فرماتے کہ بنوں آجاؤ۔ اگر آرام سے رہنا ہے تو بنوں آجاؤ۔ آخر ان کی محبت ہمیں بنوں لے گئی۔ وہ جس مسجد میں نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے اور ایک خاص جگہ پر بیٹھا کرتے تھے وہ مجھے معلوم ہے میں وہاں جایا کرتا تھا اور مجھے بڑا پریم ملتا تھا۔ کئی مرتبہ ملے تو دور ہی سے ہاتھ ہلا کر اور یہ کہہ کر چلے جاتے کہ بھائی جان کام بہت ہے۔ میں نے ایک

مرتبہ پوچھ ہی لیا کہ بھائی جان وہاں بھلا کیا کام ہوتا ہے انہوں نے فرمایا اللہ اپنے کام کرنے والے بندوں کو وہاں بھی بیکار نہیں بیٹھنے دیتے۔ وہاں جنت کے ایک حصے پر میری یہ ڈیوٹی ہے کہ وہاں کے رہنے والوں کو جس چیز کی بھی خواہش ہو وہ فوراً انہیں ملنی چاہئے۔ ایک مرتبہ ایسے دکھائی دے جیسے ابھی ابھی پانی سے باہر نکلے ہیں۔ میں نے پوچھا تو فرمانے لگے سمندر میں ایک جہاز طوفان میں گھر کر الٹنے والا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اسے سیدھا کردو۔ میں اسے سیدھا کرکے آرہا ہوں۔ اب بھی آپ حلقہ کے کئی بھائیوں سے ملتے ہیں ابھی حال ہی میں گروپ کیپٹن نور محمد صاحب کی بیگم کو جب وہ لیبیا جارہی تھیں تو راستے میں ایک ائرپورٹ پر ملے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ائرپورٹ والے مجھے مطلوبہ جہاز پر جانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ میرے پاس ایک آفسر آئے اور مجھ سے پوچھا کہ آپ کیوں پریشان ہیں میں نے بتایا تو انہوں نے متعلقہ اتھارٹی سے بات کرکے میرا مسئلہ حل کرادیا۔ جب انہوں نے مجھے اس کا حلیہ اور انداز بتائے تو میں جان گیا کہ وہ تو رسالدار صاحب تھے"۔

☆ نوٹ:۔ راقم الحروف یہ مزید اضافہ کرنا چاہتا ہے کہ رسالدار صاحب کا خاندان ضلع سرگودھا میں آباد ہے آپ کے بھائی صغیر صاحب بھی اب وفات پا چکے ہیں آپ کے بڑے صاحبزادے جو کچھ عرصہ بنوں اور پشاور میں بھی رہے آجکل غالباً حیدر آباد میں رہائش پذیر ہیں۔ حافظ صاحب نے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ سے بیعت کی تھی اور اب وہ سلسلہ کے اکابرین میں شامل ہیں۔ چھوٹے بیٹے کنور زبیر احمد خاں صاحب سرگودھا شہر میں رہائش پذیر ہیں ان کے بیٹے یعنی رسالدار صاحب ؒ کے پوتے جناب آفاق احمد خاں صاحب 1996ء کے سالانہ توحیدیہ اجتماع میں نوشہرہ ورکاں بھی تشریف لائے تھے۔ دوسرے پوتے عمران احمد خاں صاحب ایڈووکیٹ ہیں اور والد کے پاس سرگودھا میں مقیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور دنیا و آخرت میں کامران فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆---☆☆☆☆☆☆---☆☆☆☆☆☆

# ایمان جان سے زیادہ عزیز ہونا چاہیے

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

مجھے صرف چند باتیں عرض کرنی ہیں ایک تو یہ کہ اگر میں آپ سے کوئی معاہدہ کرتا تو یہ کرتا کہ آپ اس احساس و شعور کو زندہ رکھیں کہ ایمان جان سے زیادہ پیارا ہے اور ہم یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ بچہ کی جان سے اس کی صحت سے اس کا ایمان زیادہ عزیز ہے' ایمان زیادہ قیمتی ہے' اس کے لئے میں آپ کے سامنے قرآن کریم کی دو آیتوں سے استدلال کرتا ہوں اور جب بھی پڑھتا ہوں مجھے حیرت ہوتی ہے اور حیرت ختم نہیں ہوتی' لیکن مجھے اندیشہ بلکہ میرا احساس یہ ہے کہ بہت کم لوگوں نے اس سے صحیح نتیجہ نکالا ہے۔ اسلاف کرام اور مفسرین عظام کا ذہن بے شک ان چیزوں کی طرف گیا ہو گا جہاں ہمارا نہیں جا سکتا لیکن آج کے پڑھنے والے بہت کم یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ قرآن مجید کی سورہ کہف میں آخر یہ قصہ کیوں بتایا گیا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کی جان لے لی اور وہ بھی ایک اولوالعزم اور ایک عظیم الشان پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی اور رفاقت میں' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضر خضر علیہ السلام سے جب پوچھا کہ آپ نے بچہ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس کا کیا جرم تھا؟ اور کیا وہ جرم ایسا تھا کہ اس کی جان لے لی جائے؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ اس کے ماں باپ دونوں صاحب ایمان اور نیک تھے اور یہ بچہ فتنہ بننے والا تھا' اگر یہ زندہ رہ جاتا تو اپنے ماں باپ کے ایمان کے لئے خطرہ بنتا تو میں نے اس لئے ان کو اس خطرہ سے بچالیا اور اس کی جان لے لی کہ اللہ اور اولاد دے گا' آج کہیں پوری دنیائے اسلام میں بڑی سے بڑی آزاد حکومت اور شرعی حکومت بھی اس پر عمل نہیں کر سکتی' آپ سب جانتے ہیں کہ اس پر عمل کرنا بالکل حرام اور ناجائز ہے کہ محض اس خطرے سے کہ یہ بچہ کبھی فتنہ بن جائے گا (اور بہت سے بچے فتنہ بن رہے ہیں اور ہم دیکھ رہے ہیں) اس کی جان لینے کی اجازت نہیں' اور جان لینا تو جان لینا ہے کوئی اور بہت بڑی سزا معصومیت کی حالت میں نہیں دی جا سکتی اور یہاں سوال پیدا ہو گا کہ پھر قرآن کریم نے قیامت تک کے لئے اس قصہ کو سورہ کہف میں شامل کر

کے اسے زندہ جاوید کیوں بنا دیا؟ کہ یہ قیامت تک پڑھا جائے گا' تو اس نے ایسا اس لئے کیا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ ایمان کی یہ قیمت ہے۔ اگرچہ آج اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ اور تشریعی طور پر اس پر عمل کرنا حرام بھی ہے اور قتل ناحق ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے قرآن پاک کی سورہ کہف میں بیان فرما رہا ہے اسے ایک پیغمبر اور اس کے رفیق کا (جن کا کم از کم درجہ اولیاءاللہ کا ہو گا) فعل بتایا جا رہا ہے آخر اس کی حکمت کیا ہے؟ حکمت یہی ہے کہ ہم آپ سوچیں کہ ایمان وہ قیمتی چیز ہے کہ اس کے لئے حضرت خضر علیہ السلام (نے جو بڑے فقیر' بڑے عارف باللہ اور بڑے صاحب بصیرت اور مقبول عنداللہ تھے) انہوں نے یہ کام کیا کہ اس بچہ کی جان لے لی' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ قصہ سنایا اور قرآن مجید میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کرا دیا تاکہ پڑھنے والے یہ سمجھیں کہ ایمان اتنی بڑی چیز ہے کہ اس کے لئے جو چیز خطرہ بننے والی ہے اس خطرہ کو بھی دور کرنا چاہئے۔ چاہے وہ کیسی ہی پیاری اور عزیز کیوں نہ ہو مگر ہم لوگ اس طرح نہیں سوچتے۔ قرآن کریم کا یہ اعجاز اور الہامی نکتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس قصہ میں بیان فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام ایک بستی میں گئے اور انہوں نے دیکھا کہ ایک دیوار مسمار ہونے والی ہے اس موقع پر وہ زبان حال سے گویا کہہ رہے تھے کہ ہم پردیسی ہیں اور ہماری ضیافت ہونی چاہئے اور زبان قال سے بھی جیسا کہ قرآن مجید سے اشارہ معلوم ہوتا ہے لیکن پوری بستی میں کسی نے خبر نہ لی اور کھانا پیش نہیں کیا اور وہ بھوکے رہے مگر دیوار جو گر رہی تھی حضرت خضر علیہ السلام اس کے سنبھالنے میں لگ گئے اور آپ جانتے ہیں کہ گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ کہاں سے مسالہ لائے اور کتنی محنت کی ہو گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا عجب تضاد ہے جنہوں نے کھانے تک کی خبر نہیں لی' ہمیں کھانے کو نہیں پوچھا' ان کا کہاں سے یہ حق تھا اور کیا احسان تھا کہ آپ نے اس دیوار کو جس کی مرمت میں وہ مزدور لگاتے پیسے خرچ کرتے اور خود توجہ کرتے آپ نے اس دیوار کو سنبھال دیا تو انہوں نے کہا۔

واما الجد ارفکان لغلامین یتیمین فی المدینه وکان تحته کنزلهما وکان ابوهما صالحافاراد ربک ان یبلغا اشدهما ویستخرجا کنزهما رحمته من ربک

یہ دیوار دو یتیم بچوں کی تھی جن کا باپ نیک تھا' یہ دیوار گر جاتی تو جو خزانہ اندر دبا ہوا تھا وہ

کھل جاتا' سامنے آ جاتا اور لوگ لوٹ لے جاتے اور ان کو غربت کا سامنا کرنا پڑتا اور ان کے پاس کچھ نہ رہتا۔ ایک طرف جان لی' ایمان کے خطرے سے اور ایک طرف دیوار سنبھالی ایمان کی فضیلت کی وجہ سے۔ یعنی وہ خود بھی نہیں بلکہ ان کے باپ نیک تھے معلوم نہیں ان کے انتقال کو کتنا زمانہ ہو گیا تھا۔

لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے اس ایمان کی اتنی قیمت جانی کہ اس دیوار کو سنبھالا' اور اس کو کھڑا اور ٹھیک کر دیا اور وہ خزانہ دبا رہا۔ یہ دونوں واقعے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی سورت میں اوپر نیچے بیان کئے تاکہ آپ کو ایمان اور کفر کا فرق معلوم ہو' ایک طرف ایمان کی یہ قیمت کہ جو بچہ خطرہ بننے والا تھا اس کو ختم کر دیا اور ایک طرف ایمان کی یہ قیمت کہ جن کا باپ نیک تھا ابھی ان کا وقت نہیں آیا تھا ابھی وہ سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے اور وہ دو یتیم بچے تھے ان کا باپ چونکہ صاحب ایمان تھا اور نیک تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان کی قدر دانی میں دیوار سنبھالنے کا انتظام فرمایا اور الہام کے ذریعہ حضرت خضر علیہ السلام نے وہ دیوار سنبھال لی۔

## ایمان کو جان پر مقدم سمجھنا ایمان کا تقاضا ہے

بس میں یہ کہتا ہوں کہ اسے آپ ایمان کی قیمت سمجھئے اب یہ حکم نہیں ہے کہ جس کو آدمی قابل خطرہ سمجھے اس کو اس طرح ختم کر دے بلکہ بہتر یہ ہے کہ اگر خطرہ سمجھے تو اس کو اس دیوار کی طرح سنبھالے' جو گر رہی تھی' ویسے ہی اپنی اولاد کو اور آئندہ آنے والی نسل کو گرتی ہوئی دیوار کی طرح کھڑا کر دے' اس کو مضبوط بنائے' مستحکم کرے' مسئلہ صرف اتنا ہے کہ اگر ہمارے ذہن اور ہمارے عقیدے نے اس کو قبول کر لیا کہ ایمان جان سے زیادہ عزیز ہے تو پھر علاج و معالجہ اور کپڑے بنانے اور اس کی پوشاک کا خیال کرنے اور پھر آگے بڑھ کر اعلیٰ تعلیم دلانا ان سب سے زیادہ ضروری یہ ہو گا کہ ان کے دل میں ایمان بٹھایا جائے۔ ان کے علاج و معالجہ سے کپڑے بنانے سے انہیں دعائیں دینے سے اور انہیں دیکھ کر خوش ہونے سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ ان کے ایمان کا تحفظ کرے' اور ایسا انتظام کرے کہ ایمان جانے نہ پائے آخری بات میری طرف سے یاد رکھئے کہ ایمان جان سے زیادہ عزیز ہے۔

یایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا

اے ایمان والو اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ

دوزخ کی آگ سے کس طرح بچا سکو گے؟ ایمان کے ذریعہ سے بچا سکو گے' سب سے پہلا اور اہم ترین فریضہ ہے اپنی آئندہ نسل کے ایمان کی حفاظت کا سامان کرنا اور اسے ان جھگڑوں' ناکوں اور ان ٹھکانوں سے بچانا یہاں تک کہ ان تعلیم گاہوں سے بچانا' جہاں ایمان کا خطرہ ہو اور اس کا بدل مہیا کرنا کہ بے علم بھی نہیں رہ سکتے اس دنیا میں نہ پہلے اس کا جواز تھا اور نہ اب جواز ہے' تو تعلیم ضروری ہونی چاہئے' لیکن تعلیم اس طرح نہیں ہونی چاہئے کہ ایمان خطرے میں پڑ جائے' پھر چاہے آدمی آسمان پر اڑے اور دریا پر چلے اور سائنس میں اور علم جدید میں اور دوسرے فنون میں کتنی ہی ترقی کرے اور بڑے سے بڑا سرمایہ دار قارون وقت بن جائے' لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اور اس کے پیغمبروں کے یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی حقیقی قیمت سمجھنے اور دنیا کی ہر چیز کی دولت پر' ہر نعمت پر' ہر ترقی پر' ہر لذت پر اس کو ترجیح دینے کی توفیق عطا فرمائے کہ اپنے ایمان کی بھی فکر کریں اور اپنی اولاد کے ایمان کی بھی فکر کریں اور ہم پوری امت مسلمہ کے ایمان پر قائم رہنے کی فکر کریں۔

سب سے بڑھ کر نسل کشی عقیدے اور ایمان کی نسل کشی ہے کہ یہ نسل رہے اور ایمان نہ رہے' دین کا امتیاز اور دین کا فرق نہ رہے اور باقی تہذیب اور کلچر اور رسم الخط اور دوسری چیزیں تو اپنی جگہ پر ہیں اس کا پورا ایک منصوبہ تیار ہے کہ لوگ اسلام پر قائم نہ رہیں۔

اللہ تعالیٰ اس ملت اسلامیہ کو اس ملک میں اپنے تمام تشخصات کے ساتھ اپنے تمام امتیازات کے ساتھ سب سے بڑھ کر دین و ایمان اور عقیدہ کے ساتھ حمیت دینی اور حمیت اسلامی کے ساتھ اور نہ صرف یہ کہ ایمان کے باقی رہنے کی ضمانت کے ساتھ اور اس کے اسباب و ذرائع کی موجودگی کے ساتھ بلکہ اس کو ترقی کرنے اور دنیا کے دوسرے اسلامی ملکوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے اور یورپ و امریکہ تک اسلام کا پیغام پہنچانے' مسلمان بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے مدد فرمائے آمین۔ (بشکریہ صدیقی ٹرسٹ کراچی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆-----☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

# جو ہر میں ہو لاالہ تو کیا خوف

(میاں نفیس احمد)

کسی کو یہ وہم بھی نہیں ہونا چاہئے کہ میں یہ سطریں انگریزی ذریعہ تعلیم کی حمایت میں لکھ رہا ہوں۔ میرا تو اوڑھنا بچھونا ہی اردو ہے۔ میں الحمد للہ ان کم ظرف اور گھٹیا لوگوں میں نہیں ہوں' جن کو پوری شناخت اردو زبان و قلم نے عطا کی' مگر باتیں کرتے ہیں تو انگریزی میں۔ شادی بیاہ کے موقع پر دعوت نامے بھجواتے ہیں تو انگریزی میں' رہن سہن پر اپنے ساتھ بیوی بچوں کو بھی پورا مغرب اور "کالا صاحب" اور "کالی میم" بنا رکھا ہے۔ ان لوگوں کی ذہنی مرعوبیت نے متوسط گھروں کے لوگوں کو بھی اس رنگ میں رنگ دیا' اللہ ہی ان سے انصاف کرے گا۔

میں مذکورہ عنوان سے ایک ٹھوس مشاہدہ اور تجربہ سے قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ایک عزیز جن کو میں نے بہت چھوٹے سے پلتے بڑھتے پڑھتے لکھتے جوان ہوتے دیکھا۔ میرا وہ عزیز ایک ایسے ماحول اور فضا میں پیدا ہوا اور پلا کہ وہاں کوئی ایسا اردو سکول نہیں تھا' جہاں وہ پڑھ سکتا' جو زبان وہاں بولی جاتی تھی اسکی زبان سے اس کو بچپن سے نفرت تھی۔ اردو کی ابتدائی کتابیں اور قرآن پاک اس نے اپنے گھر کے بزرگ سے پڑھیں' جب اس کے سکول میں داخلہ کا مرحلہ آیا تو یہ مشکل پیش آئی کہ شہر میں کوئی قابل ذکر اردو سکول نہیں تھا۔ بالآخر اس بچہ کے والد نے ان بزرگ سے مشورہ لیا کہ آخر اس بچہ کو پڑھنے کے لئے کس سکول میں داخل کرایا جائے۔ جو قابل ذکر اور اچھا سکول ہے وہاں ذریعہ تعلیم انگریزی ہے اور لباس وضع قطع ہر چیز انگریزی کی چھاپ ہے۔ ان بزرگ نے ان کے والدین سے کہا اردو کی ابتدائی کتابیں قرآن پاک وغیرہ تو میرے پاس رہ کر ہی پڑھی ہیں نماز پڑھنے کی تربیت دیدی ہے۔ آپ اللہ پر بھروسہ کرکے اس کا داخلہ جو سب سے بڑا اچھا English Medium سکول ہے' اس میں کرا دیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس بچہ نے سکول سے لیکر کالج تک پوری تعلیم انگریزی میڈیم میں ہی حاصل کی۔ سائنس میں گریجوایشن کرنے کے بعد Electronic میں ڈپلوما کیا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد عملی زندگی میں قدم رکھنے کے ساتھ اس کے والدین اس کے معمولات کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کوئی سات سال کی عمر تھی' جب اس

نے قرآن پاک ختم کیا تھا' اس وقت سے آج تک اس نے ایک دن بھی قرآن پاک کی تلاوت ترک نہیں کی۔ نماز کی پابندی کا یہ عالم ہے کہ پانچ وقت میں بیشتر نمازیں وہ باجماعت ادا کرتا ہے' جو لوگ اس نوجوان کو قریب سے دیکھتے اور جانتے ہیں وہ حیران ہوتے ہیں کہ اس دور میں پاکستان میں ایسے نوجوان بھی ہیں۔

تعلیم کے آخری مرحلے میں پہنچ کر انہوں نے مختلف اداروں میں انٹرویو دیئے ان کے والدین کا کہنا ہے کہ کم از کم پچاسوں انٹرویو دیئے ہوں گے کئی کمپنیوں اور اداروں نے اس کو اچھے خاصے آفر دیئے مگر اس نے سارے آفر رد کر دیئے۔ والدین کو فکر لاحق ہوئی پوچھا انٹرویو دیتے ہو اور ملازمت نہیں کرتے تو پھر آخر یہ انٹرویو کیوں دیتے ہو' اس نے ایک دن اپنے والدین سے کہا کہ وہ انٹرویو دینے کب جاتا ہے' وہ تو انٹرویو لینے جاتا ہے تاکہ وہ یہ جان سکے کہ الیکٹرانک کی دنیا میں کیا کچھ ہے۔ آپ لوگ غریب آدمی ہیں میرے مشن میں معاون نہیں ہو سکتے لیکن اللہ پر میرا یقین کامل ہے کہ دیر یا سویر وہ ایسے وسائل پیدا کر دیگا کہ جو کچھ میں نے پڑھا' سیکھا اس سے انشاء اللہ قوم وملک کی خدمت کرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔

میں نے جب اس نوجوان سے پوچھا کہ تم نے انگریزی میڈیم' انگریزی سکول' انگریزی تہذیب و تمدن کو اپنا کر پڑھا لکھا' مگر تم پر ان کا اثر کیوں نہیں پڑا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے والدین نے میری تعلیم کے سلسلہ میں مشورہ کیا تھا انہوں نے میرے والدین سے کہا تھا کہ آپ اس کا داخلہ انگریزی سکول ہی میں کرا دیں آپ کی ذمہ داری صرف تعلیم دلانے کی ہے' باقی معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں۔ میرے والدین کو ان بزرگ پر بڑا یقین تھا انہوں نے ان کی ہدایت کے مطابق میری تعلیم کا بندوبست کرایا آج میں جیسا کچھ ہوں اور جو کچھ بھی ہوں اللہ کی مہربانی اور ان بزرگ کی دعاؤں کی بدولت ہوں۔ ان ساری باتوں اور تفصیل کے جاننے کے بعد بے ساختہ میری زبان پر حضرت علامہ اقبال کا یہ شعر آ گیا۔

جوہر میں ہو لا الہ تو کیا خوف
تعلیم ہو گو فرنگیانہ

(شکریہ روزنامہ نوائے وقت)

# مقام عبدیت

سید ابوبکر غزنویؒ

یہ راستہ جس پر ہم گامزن ہیں اور جس راستے پر چلنے کے شوق میں ہم سب یہاں اکٹھے ہوئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا راستہ۔ اس میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس راستہ میں بارہ گاہ الٰہی میں سب سے اونچا مقام "مقام عبدیت" ہے۔ جب سالک اس راستے پر چلتا ہے تو کبھی اس کو خیال ہوتا ہے کہ خدا میرا یار ہے' وہ میرا محبوب ہے' وہ میرا عاشق ہے۔

بالعموم سلوک کے ابتدائی اور درمیانی مرحلوں میں سالک کو اس قسم کا احساس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات جلالیہ غلبہ محبت کی وجہ سے اس کی نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ اس کی مشاہدے میں اس وقت یہ بات نہیں ہوتی کہ اس کا تعلق رب السموت والارض سے ہے رب المشارق والمغارب سے اس کا تعلق ہے' اس خدا سے ہے جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے جو تمام جہانوں' تمام سلطنتوں اور اقوام و ملل کی پرورش کر رہا ہے جو تمام سیاروں کا نظام چلا رہا ہے نظام شمسی اور نظام ارضی ان سب پر حکمران ہے۔

سالک کی تربیت کے لئے ایسا ہونا ضروری ہے کہ محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر وہ کشاں کشاں منزلیں طے کرتا رہے اور اللہ کی ہیبت اور خوف سے اس کے اعضاء معطل نہ ہوں۔ جب وہ ہوش سنبھالتا ہے' اس کو اس راستے میں جب آگہی حاصل ہوتی ہے' وہ دیکھتا ہے کہ وہ تو محیط بے کراں ہے اور میں ذرا سی آب جو ہوں۔ اس کو اپنے ذرہ بے مقدار ہونے کا احساس ہوتا ہے۔

جوں جوں اس راستے میں انسان آگے جاتا ہے' اس کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ آقا ہے' وہ پروردگار ہے۔ محبت اب بھی باقی ہوتی ہے۔ مگر ایسی محبت جیسے کسی غلام کو اپنے آقا سے ہوتی ہے۔ محبت اب بھی موجود ہوتی ہے مگر محبت اس غلام کی سی ہوتی ہے جو گوشہ چشم سے

اپنے آقا کو پیار سے دیکھتا ہے اور اس کی ہیبت بھی اس پر طاری ہوتی ہے اور اس کا جی بار بار کہتا ہے کہ اس کے کتنے احسانات ہیں مجھ پر' کتنے انعامات ہیں مجھ پر' کتنی نوازشیں ہیں مجھ پر جو یہ کرتا ہے اور ساتھ ہی اس کی عزت و تکریم اس کا احترام' اس کا ادب' اس کی ہیبت بھی طاری ہوتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ جو سلسلہ نقشبندیہ کے بڑے ستون ہیں' اپنے مکتوب دفتر اول' مکتوب نہم میں مقام عبودیت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

لاجرم مقام عبدیت فوق جمیع مقامات باشد

یعنی مقام عبدیت تمام مقاموں سے بلند و برتر ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حقیقت بھی سمجھائی کہ یہ مقام سب سے اونچا کیوں ہے؟ فرماتے ہیں

چہ دید نقص دریں مقام اتم و اکمل است

کیونکہ اس مقام پر آدمی کو اپنی عاجزی اور بیچارگی اور اپنے نقص کا احساس شدید تر ہوتا ہے

اور جتنا زیادہ انسان کو اپنی عاجزی' بیچارگی اور بندگی کا احساس شدید تر ہوتا ہے' بارگاہ الٰہی میں اس کا مقام بلند تر ہوتا ہے فرماتے ہیں۔

"جب مجھے مقام عبدیت کا مشاہدہ کروایا گیا تو میں نے دیکھا کہ

شہسوار یکہ تازی ایں میداں آں سرور دنیا و دیں و سید الاولین و سید الآخرین حبیب رب العالمین است

"میں نے غور سے مشاہدہ کیا کہ ان میں وہ کون شہسوار ہے جو سب سے آگے نکلا ہوا ہے تو میں نے دیکھا کہ وہ حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی تھی"

جو تمام عباد صالحین اور مقام "عبدیت" پر سرفراز ہونے والوں سے آگے نکل گئے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے پیارے انسانوں کا ذکر کرتا ہے۔ جن کو اللہ نے بہت عطا کیا' آپ دیکھیں گے کہ وہیں لفظ "عبد" سے یاد فرماتا ہے مثلاً :... واذکر عبدنا ایوب

"وہ جس کو ہم نے مقام عبدیت پر سرفراز کر دیا تھا وہ جن کا نام ایوب علیہ السلام ہے' لوگوں کے سامنے ان کا ذکر تو کرو۔

لفظ "عبد" کا مفہوم ہر آدمی کی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ دوسرا مجدد صاحب" نے تحریر فرمایا

"بدانکہ مقام عبدیت فوق جمیع مقامات باشد"

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کے بعد ولایت کے جتنے بھی مقامات قرب ہیں' عبدیت کا مقام ان سب سے افضل ہے

کسی جگہ فرمایا۔

واذکر عبدنا داود

وہ جن کو ہم نے مقام عبدیت پر سرفراز کیا تھا۔۔۔۔۔۔داؤد ان کا ذکر لوگوں سے کرو۔

پھر وہ کہ ختم المرسلین تھے' اللہ تعالیٰ نے جو اپنے عظیم احسانات و انعامات حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی پر کئے ان کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ لفظ "عبد" سے یاد فرماتا ہے۔

سبحن الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی

"سب عیبوں سے پاک ہے وہ ذات جو اپنے عبد کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا"۔

معراج ایک بہت بڑا انعام ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ" لکھتے ہیں کہ معراج بیداری کی حالت میں جسد اطہر کے ساتھ ہوا۔ غور فرمایئے کہ اس مقام پر لفظ محبوب یا محب سے خطاب فرما سکتے تھے لیکن یہاں پہ بھی لفظ "عبد" بولا جا رہا ہے۔ بلکہ مجدد صاحب" اس

خط میں لکھتے ہیں کہ :۔

"محبوباں رابایں مقام مشرف مے سازند"

یعنی اللہ کے جو محبوب ہیں اس دنیا میں جب ان کو محبوبیت کی منزل سے آگے لے جاتے ہیں تو مقام عبدیت پر سرفراز کرتے ہیں۔

اور یہ کہ وہاں لے جا کر گفتگو فرمائی، اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی یہ بھی ایک بہت بڑا انعام ہے جو حاصل ہوا۔ وہاں بھی فرمایا:۔

فاوحی الی عبدہ ما اوحی

پھر وہ ذات گرامی جس کو مقام عبدیت پر سرفرار فرما چکے ہیں ان سے جو اشارے ہوئے سو ہوئے۔

پھر آپ دیکھئے کہ جب یہ فرمانا مقصود تھا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام تمام جہانوں کی طرف اور تمام قوموں کی طرف مبعوث ہوئے ہیں تو اس وقت بھی عبد کے لفظ سے یاد فرمایا۔

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا

بابرکت ہے وہ ذات جس نے یہ آخری صحیفہ اپنے "عبد" پر نازل کیا تاکہ وہ تمام اقوام وملل کو بدی کے نتائج سے خبردار کردیں۔

اور جب یہ بتایا کہ یہ آخری صحیفہ ہے اور اس صحیفہ کے لگے کی کوئی کتاب تم قیامت تک نہیں لاسکتے اس وقت بھی کہا

ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتو بسورۃ من مثلہ

یہ جن کو ہم اپنی وحی کا مہبط ٹھہرا دیا ہے اور یہ جن کو ہم آخری مقام عبدیت پہ لے جا چکے ہیں۔ ان پر جو کچھ نازل کر رہے ہیں

تم سب اپنے حمایتیوں کو بھی لے آؤ اور مل کر کوشش کرو تم کبھی ایسی ایک بھی سورت نہ بنا سکو گے۔ یہاں بھی لفظ عبد سے یاد فرمایا۔

اور جب دشمنوں کے نرغے میں رحمتہ للعالمین کی ذات گھر گئی تھی اس وقت بھی یہ آیت نازل ہوئی۔

الیس اللہ بکاف عبدہ

کہ میں جو تیری اتنی ربوبیت کرتا ہوں، کتنی منزلوں سے گزار کر آخر مقام عبدیت پر لے آیا ہوں کیا میں تیرے لئے کافی نہیں ہوں۔ یہاں بھی لفظ "عبد" فرمایا۔

علامہ اقبال کو بہت اچھی طرح اس بات کا ادراک تھا۔ عجب کرم تھا حکیم الامت پر۔ عبدیت پر بہت زور دیا انہوں نے۔۔۔۔ فرماتے ہیں

متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

سلوک کے دوران جو کیفیتیں طاری ہوتی تھیں بعض سالکوں پر نعرہ "انا الحق" کہ اٹھتے ہیں کہ میں "حق ہوں" اور کوئی کہہ اٹھتا ہے

سبحانی ما اعظم شانی

کہ میری شان کتنی بلند ہے۔ فرماتے ہیں:۔

متاع بے بہا ہے یہ درد یہ سوز

یہ اپنے آقا سے جو آرزو ہے قرب کی اور وصل کی اور اس کے انعامات کی خواہش۔۔۔۔۔ کہتے ہیں کہ یہ بڑی بات ہے۔

مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

فرما رہے ہیں کہ "انا الحق" کے مقام سے مقام عبدیت بہت بڑا ہے متعدد جگہوں پر یہ بات فرمائی مجھے حیرت ہوئی کہ بہت سے سالکوں کو ٹھوکر لگی ہے اور مقام محبوبیت کو اونچا سمجھا ہے۔ اس مرد فقیر پر اللہ کا عجیب کرم تھا کہ ہر جگہ مقام عبدیت کا ذکر فرماتے ہیں۔

"عبد" وہ ہوتا ہے جس کی اپنی اللہ کی مرضی میں فنا ہو چکی ہو یہ زمانہ جاہلیت کی شاعری میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

الطریق المعبد........ جیسا کہ امام راغب اصفہانیؒ نے مفردات میں بھی لکھا ہے------ وہ راستہ جو بالکل ہموار ہو اس میں کوئی اونچ نیچ نہ ہو اس کو "الطریق معبد" کہتے ہیں اور وہ اونٹ جو بد مستی نہ کرے اور سیدھا چلے ہموار (مطیع) ہو کر اس کو بھی "البعیر المعبد" کہتے ہیں۔

....... تو وہ جس کے دل میں اونچ نیچ نہ ہو اور ہوس ختم ہو گئی ہو اور جس کا جی اللہ کے سامنے بالکل جھک گیا ہو اور ہموار ہو اور اس کے تمام احکامات پر "سمعنا و اطعنا" کہتا ہو اور بلا چون و چرا اس پر عمل کرتا ہو

ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما

کی کیفیت طاری ہو کہ دل میں حکم سن کر کوئی تنگی محسوس نہ ہو دل و دماغ کی ہم آہنگی سے کہے کہ بالکل بجا ہے میں ایسے ہی کروں گا اور اس کی رضا میں اپنی رضا کو فنا کر دے' اسے کتاب اللہ کی بولی میں "عبد" کہتے ہیں جیسے کہ ایک بزرگ نے کہا۔

زندہ کنی عطائے تو در بکشی خدائے تو
دل شدہ بتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

تو اگر مجھے زندہ رکھے گا' تیری مہربانی ہے' تو میرا آقا ہے تو جانتا ہے کہ میرے لئے زندگی بہتر ہے۔ اگر قتل کر دے گا...... خدائے تو--

میرے جی میں تو کئی دفعہ آیا ہے کہ میں تجھ پر قربان ہو جاؤں..... دل شدہ بتلائے تو..... میرا دل تیری محبت میں بتلا ہے...... ہر چہ کنی رضائے تو.... میں تو تیری رضا چاہتا ہوں

اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی چاہئے کہ وہ عباد صالحین کی جوتیاں سیدھی کرنے کی توفیق دے اور مقام عبدیت کی سمجھ عطا کرے۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم

OOOOO=====OOOOO=====OOOOO

# جلال و جمال

(ڈاکٹر غلام جیلانی برق)

قرآن اپنے پیروؤں میں دو صفات پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جلال اور جمال

جلال نام ہے علمی بلندی اور ایسی مہیب عسکری قوت کا کہ ہمارا نام سن کر مہینوں کی مسافت پر ہمارے اعداء لرزنے لگیں۔ یہ مقام حضور ﷺ کو حاصل تھا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

نصرت بالرعب میرۃ شھر (حدیث)

ترجمہ۔ ایک مہینے کی مسافت پر رہنے والا دشمن بھی میری ہیبت سے کانپ اٹھتا ہے" اور قرآن میں درج ہے۔

واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ من رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم (الانفال 60)

ترجمہ ا "تم قوت و ہیبت کے وہ وسائل فراہم کرو، تمہارے تھانوں میں گھوڑے اس ٹھاٹھ سے بندھے ہوں کہ خدا و اسلام کے دشمن تمہارا نام سن کر غش کھا جائیں"

یہ قوت و ہیبت فولاد، تیل، کوئلہ نیز اتحاد و تنظیم میں نہاں ہے قوت کے یہ وسائل فراہم کرنا حکومت کا کام ہے۔

رہا جمال تو اس کا تعلق دل سے ہے۔ بعض دل ایسے ہوتے ہیں، جن میں لالچ، بغض، بخل، نفرت، خود غرضی اور ہوس کی ظلمتوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا، ان کی تمام دوڑ دھوپ چند پست اغراض کے لئے ہوتی ہے اور بس

دوسری طرف کچھ ایسے سینے بھی ہیں جن میں محبت، فیاضی، پاکیزگی اور گداز کی شمعیں جل رہی ہوتی ہیں۔ ان کی جبینوں سے عبادت کا نور نکل رہا ہوتا ہے۔ یہ لوگ مشیت ایزدی کے سانچے میں ڈھل کر جادہ تسلیم و رضا پہ کچھ اس انداز سے رواں ہوتے ہیں

یسعی نورھم بین ایدیھم (حدید 12)

ترجمہ ا "ان کے سامنے امواج نور رقصاں ہوتی ہیں"

قرآن اسی نور کی طرف بلاتا ہے

کتاب انزلنه الیک لتخرج الناس من الظلمت الی النور (ابراہیم 1)

ترجمہ! "اے رسول ہم نے یہ کتاب تم پر اس لئے نازل کی ہے کہ تم لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاؤ"۔

الله ولی الذین امنوا یخرجهم من الظلمت الی النور (بقرہ 257)

ترجمہ! "اللہ اہل ایمان کا دوست ہے، انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف بلاتا ہے"

مسلم و غیر مسلم میں بنیادی فرق یہی ہے کہ غیر مسلم کی نظر صرف مادی دنیا پہ ہوتی ہے یہ دنیائے دل سے ناواقف، لذت نیاز و گداز سے ناآشنا اور دوام حیات کا منکر ہوتا ہے۔ (کچھ متشنیات بھی ہیں) لیکن ایک مسلم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ یہ زندگی اگلی لامتناہی زندگی کی ایک چھوٹی سی کسر ہے۔ اس کی نظر دونوں زندگیوں پر ہوتی ہے۔ یہ مادی زندگی کو شان سے گزارنے کے لئے قوت و ہیبت کے وسائل فراہم کرتا ہے اور اگلی زندگی میں چمک پیدا کرنے کے لئے سینے میں گداز و محبت کی قندیلیں جلاتا ہے۔ یہ نہ تو مادی ہے اور نہ بالکل روحانی بلکہ ان دونوں کا حسین امتزاج ہے یہ روح و جسم ہر دور کے تقاضوں کو مد نظر رکھتا ہے۔ اس کے ہاں اصل چیز داخلی انسان یعنی روح ہے اور یہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاتا جس سے روح کو چوٹ لگے۔

ذکر خدا

پادری لیڈ بیٹر اپنی کتاب Masters and the path کے صفحہ نمبر 36 پہ لکھتے ہیں

"ہمارا ہر لفظ اثیر میں ایک خاص شکل (پھول، موتی، بچھو، انگارہ، سانپ، پھوڑا وغیرہ اختیار کر لیتا ہے مثلاً لفظ "نفرت" سے ایک ایسی خوف ناک اور مکروہ صورت تیار ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ میں نے یہ چیز دیکھ لی اور اس کے بعد اس لفظ کو بھی استعمال نہیں کیا۔ بعض الفاظ سے اثیر میں نہایت حسین اشیاء تیار ہوتی ہیں اور ایسے الفاظ کی تکرار (ورد) مفید ہے۔ صرف خیال سے بھی اثیر میں یہ صور تعمیر ہوتی ہیں"

اگر اللہ نے کم از کم سو مرتبہ قرآن میں یہ حکم دیا ہے کہ

یایها الذین امنوا اذکروا الله ذکرا کثیرا و سبحوه بکرة و اصیلا (احزاب 41-42)

ترجمہ! اے ایمان والو اللہ کو بہت یاد کرو اور صبح و شام اس کی حمد و ثنا کے گیت گاؤ"

## تسبیح

ولذکر اللہ اکبر

ترجمہ! "ذکر خدا بہت بڑی چیز ہے"

تو اس میں اللہ کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ہمارا کفر اللہ سے نہ اس کا تخت چھین سکتا ہے' نہ تاروں کی شمعیں بجھا سکتا ہے اور نہ حیات و نور کی امواج کو روک سکتا ہے۔ یہ ہمارے ہی فائدے کے لئے ہے' اس سے ہم میں جمال' لچک اور لطافت پیدا ہوتی ہے۔ دکھ درد دور ہوتے ہیں۔ ہستی میں جاذبیت آتی ہے اور وہ ذات برتر ہماری دوست' مددگار' وکیل' کفیل اور محافظ بن جاتی ہے۔

آپ کو یہاں سے جانے کے بعد ہمیشہ کے لئے اثیر میں رہنا ہو گا۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ وہاں آپ کو رہنے کے لئے محل' سیر کے لئے گلشن' کھانے کے لئے شہد و ثمر اور پینے کے لئے آب حیواں ملے۔ تو یاد رکھئے کہ یہ تمام اشیا پاکیزہ اقوال و اعمال ہی سے تیار ہو سکتے ہیں۔

## الفاظ کی طاقت

ہر لفظ توانائی کا ایک خزانہ ہے۔ اندھیری رات میں کسی مظلوم کی پکار ہزاروں دلوں کو ہلا دیتی ہے۔ ایک بیمار کی کراہ روح کو چیر کر نکل جاتی ہے۔ کسی آتش بیاں کی تقریر اورنگ جہانبانی کو الٹ سکتی ہے۔

یورپ کے ایک غیب بیں نے حروف تہجی کو "تیسری آنکھ" سے دیکھا' تو اسے مختلف حروف سے مختلف رنگ کی شعاعیں نکلتی دکھائی دیں اور جب الہامی صحائف کے حروف کو دیکھا تو ان شعاعوں کا دائرہ وسیع تر پایا اور وہ اس نتیجہ پہ پہنچا کہ الہامی الفاظ توانائی کے زبردست یونٹ (Highly energised) ہیں جن سے جسم خاکی کے امراض تک کو دور کیا جا سکتا ہے۔

قرآن کی اصطلاح میں بیماری اور دکھ (غم' مرض' افلاس وغیرہ) دونوں کو سیئہ کہتے ہیں جمع ہے "سیئات"۔ قرآن میں اس مضمون کی سینکڑوں آیات موجود ہیں کہ جب کوئی آدمی راہ راست پہ آ جاتا ہے تو ہم اس کی سیئات (دکھ' غم' مرض وغیرہ) دور کر دیتے ہیں۔

والذین امنوا وعملوا الصلحت لنکفرن عنھم سیئاتھم (پارہ 29 ۔ 7)

ترجمہ! "جو لوگ ایمان لانے کے بعد پاکیزہ اعمال کرتے ہیں ہم ان کے تمام دکھ دور کردیتے ہیں"

پاکیزہ اعمال میں ذکر الہٰی کو بڑا مقام حاصل ہے اور ذکر کیا ہے چند طاقت لبریز الفاظ اور اسماء کی تکرار

لفظ کی طاقت کا اس سے بہتر مظاہرہ کیا ہو سکتا ہے کہ خدا نے کہا۔

"آجاؤ"

اور کائنات فورا" سامنے آگئی۔

ترجمہ! "یہ آسمان خدا کے ایک لفظ سے تعمیر ہوئے تھے"

ترجمہ! "خدا نے کہا "اجالا ہو جائے" اور اجالا ہو گیا"

بائبل میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے

ترجمہ! "میرے الفاظ میرے ماننے والوں کے لئے زندگی اور ان کے اجسام کے لئے صحت ہیں"

## جمال اور اقبالؒ

اقبالؒ کے متعلق یہ تصور کہ وہ تسبیح و مناجات کا مخالف تھا' غلط ہے' وہ بے شک اس تصوف کا دشمن تھا جو ترک دنیا کا سبق دے۔ لیکن اس تصوف کو جو نیاز و گداز کا مترادف ہے اپنا مسلک سمجھتا تھا۔

عشق مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے کبھی سوز رومی اور کبھی ذوالفقار حیدری کی صورت میں وہ جمال ہے اور یہ جلال

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق

کبھی سوز و سرور و انجمن عشق

کبھی سرمایہ محراب و منبر

کبھی مولا علیؓ خیبر شکن عشق

فقر و سلطنت ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ صرف فرق اتنا ہے کہ

یہ سپہ کی تیغ بازی وہ نگہ کی تیغ بازی

رومی و عطار کی عظمت کا راز کیا تھا؟

علم؟

ہرگز نہیں

آج علم کی حدود چاند تک پھیلی ہوئی ہیں۔ آج لوہا ہوا میں اڑ رہا ہے' آج انسان نے مہیب سمندروں اور نیلگوں فضاؤں کو روند کر رکھ دیا ہے' لیکن ساری کائنات میں کوئی رومی' کوئی جنید اور کوئی عطار نظر نہیں آتا۔

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں
ایک بھی صاحب سرور نہیں

سرور آئے کہاں سے؟

یہ چیز پیدا ہوتی ہے نالہ نیم شب کے نیاز' خلوت کے گداز' دیدہ تر کی بے خوابیوں اور دل کی پوشیدہ بے تابیوں سے اور آج کے اہل علم ان لذتوں سے ناآشنا ہیں۔ یہ درست کہ بہاروں میں بڑی مستی ہے' جھومتی ہوئی گھٹاؤں' طلوع و غروب آفتاب اور کوہساروں میں آبشاروں کا ترنم از بس وجد آور ہے لیکن جو مستی ذکر و فکر سے حاصل ہوتی ہے۔ اس میں اس قدر وسعت و گہرائی ہے کہ اس کے سامنے کائنات کی تمام لذتیں ہیچ نظر آتی ہیں۔ جب انسان حقیر' رب عظیم کے تصور میں کھو جاتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ قطرہ سمندر میں جذب ہو کر بے کراں بن رہا ہے۔ دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ روح بلند ہو رہی ہے اور حدود زمان و مکاں سے ابھر کر دور جا رہی ہے۔ روح کی بالیدگی وسعت' حرکت اور اس کا سفر' ذکر کی بدولت ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس گداز کو پالیں کہ ابن آدم کا جمال یہی ہے

حدیث دل کسی درویش بے کلاہ سے پوچھ
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ

یورپ کے مشہور فاضل ایمرسن کا قول ہے

"اللہ کے دائرے میں آتے ہی انسانی ہستی میں بے پناہ وسعت و پہنائی آجاتی ہے"

مغرب کے ایک فلسفی آر ڈبلیو ٹرائن کہتے ہیں

ترجمہ! "دل و دماغ کے دروازے کھول دو' خدائی فیوض کو اندر آنے دو' اس سے بھیک مانگنے اور لینے کا انداز اختیار کرو اس کے بعد تمہیں ایک خاموش' پرسکون اور نورانی طاقت کا احساس ہو گا۔ یہ طاقت تمہارے جسم و روح کو ہم آہنگ بنا دے گی۔ اس احساس کو ساتھ رکھو اور کام کرتے' چلتے' جاگتے' سوتے اور سوچتے اس سے فیض حاصل کرو۔ مجسم محبت (خدا کی روح) تمہاری حفاظت و رہنمائی کرے گی اور یہ ہو گا ایک نیا جنم"

## نور عبادت

رات کو کسی مکان کے روشن دانوں پر نظر ڈالیے روشنی شیشوں سے چھن چھن کر باہر آ رہی ہو گی۔ خیال آتا ہے کہ کہیں یہ آفتاب و ماہتاب' ایوان الوہیت کے روشن دان نہ ہوں؟

قرآن حکیم کچھ اسی طرح کی بات کہتا ہے

اللہ نور السموت والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ

((نور-35)

ترجمہ! "اللہ زمین و آسمان کا نور ہے۔ یہ نور اس چراغ کی طرح ہے جو کسی چراغ دان میں جل رہا ہو اور اس کے گرد شیشہ ہو......"

اللہ کائنات میں کہیں نظر نہیں آتا اس چراغ کا نور ہر روزن سے نکل کر دنیا کو منور کر رہا ہے۔ اگر میں غلط نہیں سمجھا تو انسان کا روشن دان اس کا چہرہ۔ جب اللہ دل میں گھر بنا لیتا ہے تو اس کا نور اسی روشن دان سے چھن چھن کر باہر نکلتا ہے اور اگر دل میں اللہ کی جگہ شیطان بس جائے تو چہرے سے خشونیت' یبوست' نحوست اور آنکھوں سے شیطانیت ٹپکنے لگتی ہے۔ انسانی چہروں پہ نگاہ ڈالیے' سو میں سے پچانوے ایسے ہیں جن کے خدوخال بگڑ چکے ہیں' پیشانیاں پچکی ہوئیں' ہڈیاں ٹیڑھی' تناسب مفقود' آنکھیں بے نور اور چمک غائب یہی وہ لوگ ہیں جن کے سینوں کے چراغ بجھ چکے ہیں اور اسی لئے انکے "روشن دان" تاریک ہیں۔

شاید کوئی یہ کہے کہ

بے نور چہروں کا سبب افلاس ہے

یہ بات نہیں!

افلاس خدائی نور کو نہیں ڈھانپ سکتا۔ ہمارے حضور پر نور ﷺ پر سات سات دن کے فاقے آتے تھے۔ صحابہ کرام ؓ کی اکثریت فاقے پہ فاقے کاٹتی تھی اور کچھ ملتا بھی تھا تو جو کی روٹی یا کھجوریں۔ بہ ایں ہمہ چہروں کے نور کا یہ عالم تھا کہ اللہ تعالیٰ کو بھی کہنا پڑا

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود

ترجمہ! "سجدوں کی وجہ سے ان کے چہروں پر ایک خاص قسم کی چمک پائی جاتی ہے"

تعرفھم بسیماھم

ترجمہ! "تم ان کو ان کے چہروں سے پہچان لو گے"

اور بدکاروں کی علامت بھی یہی بتائی گئی ہے

یعرف المجرمون بسیماھم (رحمٰن)

ترجمہ! "سیہ کار اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے"

## ماحصل

ماحصل یہ کہ عبادت سے دل روشن ہو جاتا ہے اور چہرہ منور

ستاروں کی بکھری ہوئی محفل اور پہاڑوں کی بلند و پست چوٹیوں میں ایک رشتہ وحدت نظر آنے لگتا ہے' داخلی انسان میں توانائی آ جاتی ہے۔ کائنات کی مخفی طاقتیں معاون بن جاتی ہیں اور اس طرح ہماری شخصیت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

اگر ہو ذوق تو فرصت میں پڑھ زبور عجم
فغان نیم شبی بے نوائے راز نہیں

OOOOOOOOO☆☆☆☆☆☆OOOOOOOOO

(ڈاکٹر بلوک نوریاقی)

# کائنات کے نامعلوم مقامات

فلا اقسم بمواقع النجوم ○ وانہ لقسم لو تعلمون عظیم ○ (الواقعہ)

ترجمہ "پس نہیں قسم ہے ستاروں کے مواقع کی اور اگر تم سمجھ لو تو یہ بہت بڑی قسم ہے"

سب سے پہلے میں سورۃ واقعہ کی مختصر تعریف یا شرح کرنا چاہوں گا۔ واقع کا مطلب ہے 'ڈرانے والا' واقع و قوع کا مطلب ہے ماجرا یا سانحہ۔ کسی چیز کا اچانک نکل آنا۔ اکثر تفاسیر میں واقع کا مطلب یوم آخرت مراد لیا گیا ہے۔ بہر حال موت کا لمحہ یا کوئی اور وحشت انگیز لمحہ "واقع" کی تعریف میں آتا ہے

اس آیت میں جس طریقہ سے الفاظ استعمال ہوتے ہیں وہ حیران کن حد تک دلچسپ ہیں۔ اس کی ابتدا لفظ "فلا" سے ہونا صرف و نحو کے رو سے پوری آیت کا احاطہ کرتی ہے "لا" کے یہاں معنی ہیں

(الف) لفظ کا حسن ترتیب اور ہم آہنگی۔

(ب) طاقت یا کمک پہنچانا۔

(ج) لاوجودیت کا حقیقی ذرہ۔

اس طرح حتمی لحاظ سے ان الفاظ کے معنی کہ "مزید الفاظ کی ضرورت نہیں ہے" سمجھ میں آتے ہیں۔ "مزید الفاظ کی ضرورت نہیں ہے" قسم ہے ستاروں کے ٹھیک جگہ پر ہونے کی۔ "ہاں اگر تم جانتے تو ایک بہت بڑی قسم ہے۔"

اس آیت میں ہم جس چیز پر توجہ مرکوز کرانا چاہتے ہیں وہ ہے ستاروں کے ٹھیک جگہ ہونے کی خصوصیات کا مطالعہ ہے۔ سماوی طبیعات (آسٹرو فزکس) میں ایسی چند مثالیں مندرجہ

ذیل ہیں۔

(الف) وہ جگہیں جہاں وہ طلوع اور غروب ہوتے ہیں۔

(ب) ان کے مشرقین اور مغربین ان کی حدود اور موجودگی کی جگہیں۔

(ج) وہ مقام جہاں شہاب ثاقب METEORS ظاہر ہوتے ہیں۔

(د) وہ مقام جہاں ایک ستارہ غائب ہو جاتا ہے۔

آیئے اب دوبارہ اس آیت کریمہ کی باریکیوں کا خلاصہ دیکھیں۔

(الف) قسم کی ابتداء نفی کے لفظ سے شروع ہوتی ہے۔ اس قسم کی ابتدا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی انتہائی اہم راز افشاء کیا جا رہا ہے۔ خاص طور پر جب یہ لفظ "فا" کے ساتھ واقع ہو۔

(ب) ستاروں کے مقامات کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ اس قسم کی قسمیں دوسری آیات میں بھی ہیں۔ البتہ ستاروں کے مقامات یا جگھوں کی قسم اسی آیت مبارکہ میں ہی ہے۔

(ج) "اگر تم جانتے کہ یہ کتنی عظیم قسم ہے"۔ یہ بیان ہمیں بتاتا ہے کہ ہم ستاروں کی جگھوں کے نظریہ کو باآسانی نہیں سمجھ سکتے اس کے عظیم اور مخفی معنی ہیں۔

یہ ان آیات میں سے ہے جو بہترین طریق سے ظاہر کرتی ہیں کہ سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ کس طرح قرآن کی نئی توجیہات اور تفاسیر کی جا سکتی ہیں۔

آیئے اب ہم ان حقائق کو یکجا کر کے دیکھیں کہ کس طرح آسمانی طبیعیات (آسٹرو فزکس) کے علم نے پچھلے پندرہ سالوں میں ستاروں کی جگھوں اور مقامات کے بارے میں کیا کیا دریافتیں کی ہیں؟

کائنات میں ایسی جگہیں ہیں جنہیں روسی سائنسدان "ستاروں کے مقام" کہتے ہیں اور مغربی سائنسدان انہیں سفید شگاف یا غار (WHITE HOLES) یا سیاہ شگاف (BLACK HOLES) کہتے ہیں۔ آسمانی طبیعیات کے علم میں ترقی کی وجہ سے پچھلے پندرہ سالوں میں سائنس نے ہمیں ستاروں، سیاروں یا انجم کی کائنات کی خاصی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ اس

سلسلے میں دو قسم کے مواقع یا جگہیں کائنات میں پائی جاتی ہیں جو ستاروں کی خصوصیات نہیں رکھتیں۔

1۔ سفید شگاف یا غار (WHITEHOLES) یا کوثرز QUASARS

2۔ کالے شگاف یا غار BLACKHOLES

سفید شگاف WHITEHOLES

یہ انجم کی جگہ یا موقع ایک نا قابل یقین مقدار میں توانائی کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے بے پناہ توانائیاں کائنات میں ایک مقام سے چھوڑی جاتی ہیں جو لاکھوں نوری سالوں کے فاصلوں تک پہنچتی ہیں۔ یہ کوثریں اتنی قوت کی مالک ہوتی ہیں کہ یہ کہکشاؤں یا اربوں ستاروں کا گچھا بناتی ہیں۔ کچھ سائنسدان ان کوثروں QUASARS کو کہکشاں کے بیج تصور کرتے ہیں۔ جن سے مزید اجرام فلکی نکلتے ہیں۔

سیاہ شگاف BLACKHOLES

ان دونوں میں سے زیادہ دلچسپ سیاہ شگاف ہیں۔ یہ شگاف اس جگہ کی نشاندہی کرتے ہیں جو اس ستارے کے فنا ہونے کی وجہ سے خالی رہ جاتی ہے مگر جب ایک ستارہ فنا ہوتا ہے یا مرتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب جانے بغیر ان شگافوں کو سمجھنا ناممکن ہے۔ یعنی انجمن ہائے کائنات کے ان مواقع کو جس کو اس آیت کریمہ نے بیان کیا ہے۔

یہ علم تو موجود ہے کہ ستارے لاتعداد ایٹموں یا جواہر پر مشتمل ہوتے ہیں۔ الیکٹران یا منفی برقی پارے ایٹم کے نکلیا یا مرکز کے گرد گھومتے ہیں۔ اس وجہ سے ایک ستارہ ایک مخصوص حجم رکھتا ہے۔ ستارے کا فنا ہونا یا مرجانے کا مطلب ہے کہ وہ توانائی جو اس کے حجم کو قائم رکھے ہوئے تھی ختم یا خرچ ہو چکی ہے۔ جیسے ہی ایک ستارہ مرتا ہے وہ اپنی ہی کشش ثقل سے اس قدر بھینچ کر یا دب کر اتنا چھوٹا ہو جاتا ہے کہ صرف ایٹموں کے نکلائی (NUCLEI) ہی رہ جاتے ہیں اور جب نکلائی ایک دوسرے کے اوپر جمتے ہیں تو ستارہ سکڑ کر رہ جاتا ہے ایک مرتا ہوا ستارہ اپنی اصل جسامت سے کئی لاکھ گنا چھوٹا ہو جاتا ہے۔ مگر اپنی کیست یا

MASS میں کسی خاص تبدیلی کے بغیر اگر مرنے والا ستارہ چھوٹی جسامت یعنی جیسے ہمارا سورج کے برابر ہے تو یہ ایک پلسر PULSAR (یعنی وہ ستارہ جو انتہائی باقاعدہ وقفوں سے ریڈیو تعدد برق مقناطیسی شعاع خارج کرتا ہوا) بن جاتا ہے۔ یہ پلسر ایک اکائی ہے جو ہر 0.03 سیکنڈ کے وقفہ سے ایکسریز X-RAYS خارج کرتا ہے۔ یہ ستارہ اپنے ہی گرد کروڑوں کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومتا ہے۔ اس کے باوجود اتنا سکڑ چکا ہوتا ہے کہ یہ نظر تک نہیں آتا۔ اس کا وجود محض اس کی برقی مقناطیسی لہروں کے ارتعاش سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح یہ مکمل تجلی موقع یا قرار دادہ مقام بن جاتا ہے۔

اگر مرتا ہوا ستارہ بڑا ہے تو ثقلی انہدام اتنا شدید ہوتا ہے کہ یہ اکائی NUCLEI سطح پر نہیں رکتا بلکہ یہ انہدام اس حد تک جاری رہتا ہے جہاں تمام مادہ اور توانائی اس نقطہ تک سکڑ جاتے ہیں جسے ایک اکائی کہتے ہیں۔ اسے کائناتی سیاہ شگاف کہتے ہیں۔ یہ شگاف کسی طور بھی دیکھا نہیں جا سکتا۔ صرف درج ذیل خصوصیات سے پہچانا جا سکتا ہے۔

1۔ یہ ان تمام اشعاع RADIATION اور ستاروں کو ہڑپ کر جاتا ہے جو اس کے نزدیک سے گزرتے ہیں۔

2۔ یہ گاماریز GAMARAYS اور ایکس ریز کا بالواسطہ اخراج کرتا ہے۔

3۔ اس کے قرب میں وقت اچانک تحلیل ہو جاتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں یہ سیاہ شگاف ایک ستارے کا پر اسرار مقبرہ ہے۔ یہ تمام مادی اشیاء اور وقت کو کھینچ کر اپنے اندر چھپا لیتا ہے۔

اولاً" پرنسٹن یونیورسٹی کے پروفیسر ریمو روفینی REMO RUFFINI نے سایہ شگافوں کی موجودگی کے متعلق نظریہ قائم کیا۔ اس سائنسدان نے ان نکتوں کو ستارہ کا موقع (جگہ) قرار دیا بعد میں جان وہیلر نے ان مواقع کو سیاہ شگاف کا نام دیا۔

مادہ کے نکتہ نظر سے یہ نکتے ثقلی جھٹکے یا انہدام کے علاقے ہیں۔ ہر شے ان کی نزدیکی میں فنا ہو کر غائب ہو جاتی ہے۔ آئن اسٹائن کے پیرو کاروں میں سے اوپن ہائمر سنائیڈر نے ان کی

سائنسی توجیہات کی ہیں اور ان نکتوں کو کائنات میں توازن کے علاقے کہا ہے۔
ایک ستارے کا توازن ایک طرف تو اکائی رد عمل کی وجہ سے پھیلاؤ اور دوسری طرف شدید ثقل کی موجودگی سے قائم ہوتا ہے۔ کائنات میں اربوں کھربوں کی تعداد میں ستاروں کا توازن ایک ناقابل یقین کمپیوٹری نظام پر قائم ہے۔ ایک نظریہ کے مطابق اکائی رد عمل بھی کئی ثریاؤں یعنی ستاروں کے جھرمٹوں کے لئے بیج SEED کا کام دیتا ہے۔

آیئے اب ہم دوبارہ سورۃ واقعہ کی آیت نمبر 75 کی طرف آئیں۔

"پس نہیں۔ قسم ہے ستاروں کے مواقع کی اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔"

اس کے ساتھ ہی اپنے پیارے نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کی طرف بھی توجہ کرنا چاہئے جو آپ نے اس سورۃ کے متعلق کہا۔

"اپنے بچوں کو سورۃ واقعہ پڑھاؤ اور وہ اپنے بچوں کو پڑھائیں"

کیا خدا کا یہ معجزہ اب صاف نظر نہیں آتا؟ اس سورۃ کو پڑھیں اور سمجھیں" اس آیت کو ایک نسل سے دوسری نسل کو پڑھائیں۔ آخر میں یہ انتہائی اہم کائناتی راز بے نقاب ہو جائے گا۔

اس سورہ مبارکہ کا نام ہی اس آیت کی تشریح میں خدائی طور پر اثر انداز ہے ہم نے اوپر اس آیت کو کائناتی طبیعیات کے نقطہ نظر سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

کائنات میں مخلوقات کے ہجوم کھربوں ستاروں کے راز انسانی ذہن کے لئے بعید از قیاس نہیں۔ مگر قرآن کریم میں ان کے حجم اور ساخت کو بعض اوقات تفصیلا" اور بعض اوقات سرسری طور سے بیان کیا گیا ہے صرف ایک ہی سوال ہے اور ایک ہی راز کہ قرآن کی طرف دل کی آنکھ کھلی رکھی جائے۔ مثال کے طور پر ہو سکتا ہے ہم دیکھیں تو ایک صاف دل مومن اس آیت مبارکہ کے پڑھے جانے پر آنسو بہا رہا ہے اگرچہ وہ عربی بھی نہیں جانتا۔ اور نہ ہی اس نے طبیعیات پڑھی ہے۔ وہ اپنی حالت سے خود بھی غافل ہو سکتا ہے۔ مگر دل کی آنکھ کو ایک راز بتا دیا گیا ہے جو اس کے خالص اور پاکباز ہونے کی وجہ سے ہے۔

# اقبال کا تصورِ حیات و ممات

(محمد مسعود اختر)

باغ بہشت سے زمین پر ہجرت کے بعد آدم کا شعور ایک خوشگوار تسلسل کے ساتھ ارتقاء کی منازل طے کرتا رہا اور بہت جلد وہ دن آیا کہ اس کے ذہن میں فلسفیانہ سوالات ابھرنے لگے۔ وہ قدرت اور مظاہر قدرت کے متعلق غور و فکر کرنے لگا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنی حقیقت کے متعلق سوچنے لگا۔ میں کون ہوں؟ میرے وجود کی حقیقت کیا ہے؟ زندگی کسے کہتے ہیں؟ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ کیا موت کے بعد میری ہستی ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے گی؟ ایسے بہت سے سوالات ذہن انسانی کو پریشان کرنے لگے۔ اہل دانش نے ان سوالات کا جواب تلاش کرنے کی انتھک کوششیں کیں کہ یہی لوگ معاشرے کی دماغی الجھنوں کو سلجھانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ علما کے فلسفہ نے اپنے اپنے رنگ میں ان مسائل کا حل دریافت کیا۔ ہر فلسفی کو اس کی تحقیق اور تجسّس نے نئے نئے راستے دکھائے اور یوں ایک دوسرے سے قدرے مختلف اور بعض اوقات متصادم نظریات سامنے آئے۔

اقبالؒ بیسویں صدی کے عظیم ترین مسلم فلسفی ہیں اور اس فلسفی کی خصوصیت یہ ہے کہ اپنے دور کا سب سے بڑا شاعر بھی ہے۔ مسئلہ حیات و ممات پر اپنے تصورات اقبالؒ نے اشعار کی صورت میں ظاہر کئے جس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ان کی بات عوام کی بڑی تعداد تک پہنچی۔ فلسفہ سے دلچسپی رکھنے والوں کی تعداد ہر دور میں کم رہی ہے کہ پیچیدہ موضوعات کے بارے میں خشک مباحث کرنے اور انہیں برداشت کرنے کے لئے مخصوص دماغی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ شاعری عوام کے مطلب کی چیز ہے کلام اقبال کی عوامی مقبولیت کا کرشمہ ہے کہ آج ہر پڑھا لکھا پاکستانی یہ جانتا ہے کہ زندگی عناصر میں حسن ترتیب کا نام ہے اور موت انہی عناصر کے بکھر جانے کو کہتے ہیں ہر شاعر کی طرح اقبال روزمرہ کے واقعات اور بظاہر غیر متعلق اور غیر اہم مناظر سے بہت اہم کام لیتے ہیں۔ اقبال دریا کے کنارے کھڑے ہیں۔ ایک کشتی آپ کے سامنے سے گزرتی ہے اور بتدریج دریا کی لہروں پر رواں، نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے اقبالؒ اس کشتی کو حیات انسانی سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ کشتی اقبالؒ کو نظر نہیں آ رہی مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کا وجود فنا ہو چکا ہے۔ وہ دریا کی لہروں پر ہی موجود ہے مگر اس کا ناظر بدل چکا ہے۔ وہ ایک نئے منظر کا حصہ ہو چکی ہے۔ اسی طرح انسان موت کے بعد دوسرے انسانوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے مگر وجود برقرار رکھتا ہے۔ اس کا مقام بدل جاتا ہے۔

جہاز زندگی آدمی رواں ہے یونہی
ابد کے بحر میں پیدا یونہی' نہاں ہے یونہی
شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں ہوتا
نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا
جوہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

اقبال" سمجھتے ہیں کہ قدرت زندگی کی بقاء چاہتی ہے اسی لئے ذی روح کو اپنی زندگی کی حفاظت کا جذبہ ودیعت کیا گیا ہے اور اسی لئے مخلوقات حیوانیہ میں افزائش نسل کا بندوبست کیا گیا ہے۔ اقبال" کے نزدیک زندگی کو موت سے کوئی خطرہ نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو موت اس قدر عام نہ ہوتی۔ کوئی تخلیق کار یہ نہیں چاہتا کہ اس کی تخلیق فنا ہو جائے۔ قدرت انسان کو کیوں فنا کرنا چاہے گی کہ انسان دست قدرت کا شاہکار ہے۔ انسان کی موت زندگی کے دو حصوں کے درمیان ایک وقفے کا نام ہے جس طرح ہم دن بھر کاروبار حیات میں مصروف رہنے کے بعد رات کو سو جاتے ہیں اور صبح ہوتے ہی دوبارہ بیدار ہو جاتے ہیں بلکہ اسی طرح موت سے ہماری زندگی میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔

ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

موت دوران سفر میں ستانے کا نام ہے۔ زندگی ایک مسلسل عمل ہے۔ ایک ارتقاء پذیر حقیقت ہے زندگی میں جمود ہی اصل موت ہے۔ جسمانی موت دراصل ایک نئی زندگی کا آغاز ہے موت نام ہے زندگی کی بے مقصدیت اور بے عملک کا جس وجود کے ارادے اعلیٰ وارفع ہوں موت اس کے لئے بے معنی ہے۔ جس کی خودی زندہ ہے اسے موت سے کوئی خطرہ نہیں۔ اقبال" کہتے ہیں کہ عالم ارواح میں روح انسانی کو ارتقاء کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ موت روح کے لئے اسی طرح کی پیدائش کا درجہ رکھتی ہے جس طرح انسانی جسم ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ اقبال" سمجھتے ہیں کہ موت کا خوف انسان کو بزدل بنا دیتا ہے۔ قومی زندگی کے لئے یہ خوف اور بھی نقصان دہ ہے کہ ایسی قومیں غلامی اور بے غیرتی کی زندگی کو آزادی اور عزت کی موت پر ترجیح دیتی ہیں۔ موت سے ڈرنے والا زندگی سے محبت کرنے لگتا ہے اور اپنی محبوبہ کو خوش کرنے کے لئے وہ سب کچھ کر بیٹھتا ہے جس کا مطالبہ وہ کرتی ہے۔ زندگی کے مطالبات ہی ان معاشرتی اور اخلاقی جرائم کی اصل وجہ ہیں جن کے باعث کرہ ارض ناقابل رہائش ہوتا جا رہا ہے۔

دنیا میں وہی لوگ بڑے کام کر جاتے ہیں جو موت کے خوف پر قابو پا لیتے ہیں۔ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ ہر مسافر کو اس راستے سے گزرنا ہے۔ جب یہ ایک ناگزیر حقیقت ہے جس سے فرار ممکن ہی نہیں تو پھر ڈرنے سے فائدہ اور پھر یہ اختتام حیات تو نہیں۔ یہ تو ایک نئی اور طویل زندگی کا آغاز ہے۔

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی
یہ ہے شام زندگی' صبح دوام زندگی

ہر تخلیق کار اپنی تخلیق میں بہتری کی جستجو کرتا رہتا ہے۔ یہ تبدیلی اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک وہ اپنی تخلیق سے مطمئن نہیں ہو جاتا۔ پیکر خاکی کا فنا ہو جانا دراصل اس سے بہتر وجود تخلیق کرنے کی خواہش کا مظہر ہے۔ نقش حیات ہر مرتبہ مٹنے کے بعد ایک نئی شان سے ابھرتا ہے تخلیق کا سفر جاری ہے اور کائنات کی تکمیل تک جاری رہے گا۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ دوسری تمام مخلوقات کا مقصد اس کی زندگی میں آسانیاں اور خوبصورتی پیدا کرنا ہے۔ گویا انسان مقصود کائنات ہے۔ وہ مرکز ہے اور تمام مظاہر فطرت اس کے گرد گھومتے ہیں۔ جب یہ ثانوی اہمیت رکھنے والے مظاہر یعنی چاند' سورج اور ستارے لاکھوں سال سے فنا نہیں ہوئے تو انسان پچاس ساٹھ برس کی زندگی کے بعد کیسے فنا ہو سکتا ہے۔ کیا یہ آفتاب عالمتاب ان حقیر ستاروں سے کم بہا ہے؟

شعلہ یہ کمتر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنے ستاروں سے بھی کیا

موت کے خوف پر قابو پانے کے لئے اقبالؒ اسلام کے عقیدہ آخرت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ کبھی کبھار وہ صوفیانہ رنگ میں یہ بھی کہہ جاتے ہیں کہ شان قلندری یہ ہے کہ انسان موت کے خوف سے بے نیاز رہے۔ شہید اسی لئے زندہ ہیں کہ انہوں نے موت کے خوف کو کوئی وقعت نہ دی۔ جنگ کے میدان میں موت کے سامنے ڈٹ گئے اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اللہ کی راہ میں جان نچھاور کر دی اور دین کی حقانیت کو ثابت کر دکھایا شہیدوں کی خودی زندہ ہے اور جن کی خودی زندہ ہو وہ موت کو زندگی بنا دیتے ہیں۔ خودی کی بیداری ابدی حیات کی ضمانت ہے۔

ہو اگر خود نگر و خود گرد خود گیر خودی

یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی نہ مر سکے

در حقیقت تمام اہل ایمان جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں وہ موت کے خوف سے نجات حاصل کر لیتے ہیں۔ انہیں یقین کامل ہوتا ہے کہ موت کے فورا" بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے وعدوں کے مطابق نعمتوں بھری اور نہ ختم ہونے والی حقیقی زندگی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں موت کی تمنا کرنے کو صداقت کا نشان ٹھہراتے ہوئے اہل یہود سے خطاب کیا گیا ہے کہ تم اپنے آپ کو اللہ کے چہیتے اور دوست گمان کرتے ہو۔ اگر اپنے وعدے میں سچے ہو تو موت کی تمنا کر کے دکھاؤ پھر فرمایا کہ وہ کبھی بھی ایسی تمنا نہ کریں گے کیونکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہے جو توشہ وہ آخرت کے لئے آگے بھیج چکے ہیں۔ علامہ اقبالؒ اسی لئے ایمان لانے کو شہادت گاہ الفت میں قدم رکھنے کے مترادف قرار دیتے ہیں کیونکہ سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے مومنوں سے ان کے مال اور جانیں جنت کے بدلے خرید لی ہیں۔ اس سے اچھا سودا بھلا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عطا کی ہوئی چیزوں کو خود ہی خرید کر جنت کی دائمی زندگی سے نواز دیں۔ اس لئے سچے مومن جو بخوشی اپنی جانوں کا سودا کر چکے ہیں وہ بھلا کیوں موت سے ڈرنے لگے۔ آخری ایام میں حضور نبی کریم ﷺ سے بھی جب دریافت کیا گیا تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے پاس جانے ہی کو ترجیح دی۔ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جب اس فیصلہ کی اطلاع ملی تو آپ رونے لگ پڑیں۔ اس پر حضورؐ نے جب ان کو یہ خوشخبری سنائی کہ سب سے پہلے تم میرے پاس آؤ گی یعنی تم جلد ہی فوت ہو جاؤ گی تو وہ خوش ہو گئیں۔ اسی طرح صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) اور اللہ کے مقرب بندے اس کی راہ میں شہادت کی دعائیں کرتے رہے ہیں کیونکہ ان کی نگاہوں میں موت ہی وہ پل ہے جس پر سے گذر کر محبوب حقیقی کا دیدار نصیب ہوتا اور اس کی جنت میں داخلہ ملتا ہے۔ موجودہ زمانے کے مسلمانوں کے قلوب کے لئے ایسے ہی جذبات کی تمنا کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے

کشاد در دل سمجھتے ہیں اس کو

ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

دل مرد مومن میں پھر پیدا کر دے

وہ بجلی کہ تھی نعرہ لا تذر میں

# نبی آخر الزماںؐ کی صداقت

(ویدوں سے ثابت)

(مولانا شمس نوید صاحب عثمانی)

## حقیقت احمدیؐ ہر مقدس کتاب میں ہے

توریت اور انجیل میں احمد ﷺ کی حقیقت پر ہمارے مفسرین بہت تفصیل سے حوالے پیش کر چکے ہیں اس لئے انہیں نقل نہ کرتے ہوئے ہم ہندوؤں کی مذہبی کتب اور بدھ مت میں احمد ﷺ کی حقیقت کے کچھ نمونے پیش کر رہے ہیں۔

بائبل کے علاوہ ویدوں میں بھی احمد ﷺ نام کا ذکر موجود ہے آئیے دیکھیں۔

"وہ تمام علوم کا سرچشمہ احمد عظیم ترین شخصیت ہے۔ یہ روشن سورج کے مانند اندھیروں کو دور بھگانے والا ہے۔ اس سراج منیر کو جان لینے کے بعد ہی موت کو جیتا جا سکتا ہے۔ نجات کا اور کوئی راستہ نہیں ہے"۔ (یجروید 31-18)

"احمدؐ نے سب سے پہلی قربانی دی اور سورج جیسا ہو گیا" (رگ وید ۸-۶-۹-۱۰) (واضح رہے کہ قرآن میں رسول اللہ ﷺ کو سراجا" منیرا یا چمکتا ہوا سورج کہا گیا ہے)

"احمدؐ وہ ہیں جو لوٹتے ہیں تو روشن طاقت اور ہیرا ثابت ہوتے ہیں۔ مخلوقات اور دولت کی حفاظت ہر پہلو سے کرتے ہیں اور بہترین نجات دہندہ ثابت ہوتے ہیں" اسی طرح اتھرو وید (۲۰-۱۲۶-۱۴) میں لفظ استعمال ہوا ہے۔

مندرجہ بالا چاروں منتروں کے ترجمے میں غلطیاں کی جا رہی ہیں مثلا" پہلے منتر میں احمت لفظ استعمال ہوا ہے۔ سنسکرت میں "د" کی اکثر "ت" استعمال ہوتا ہے اس لفظ کو دو حصوں میں اہم + ات میں تقسیم کر کے ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ اہم کے معنی "میں" اور ات کے معنی "اس" کے ہیں اس طرح ترجمہ کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے اسی طرح کی گڑبڑ دوسرے دونوں منتروں میں بھی ہیں

بدھ مت میں بھی احمدؐ نام کی حقیقت دیکھتے چلیں' بدھ مت میں بدھا پیغمبر کے ہم معنی ہے۔ گوتم بدھ نے اپنے چیلے نندا کو مخاطب کر کے بتایا تھا "نندا میں نہ تو پہلا ہوں اور نہ آخری بدھا ہوں"

پہلے بدھا کے متعلق ڈاکٹر رادھا کرشنن اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

"جاپان میں پہلے بدھا کا نام "امیتابھ" ملتا ہے"

اور جاپان میں اس کا تلفظ امعد (AMID) ہے یعنی احمد ﷺ
یہ لفظ ابیتابھ امت اور آبھا دو لفظوں کا مرکب ہے امت (EMETH) احمدؐ لفظ کا بگڑا ہوا تلفظ
ہے اور آبھا کے معنی نور کے ہیں۔ اس طرح ابیتابھ کے معنی ہوئے نور احمدؐ یعنی بدازم میں بھی یہ
حقیقت کھوئی ہوئی ہے کہ پہلا پیغمبر نور احمدؐ تھا۔

یہ تھے پچھلے صحائف آیئے دیکھیں حدیثیں کیا کہتی ہیں

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ نبوت آپ
پر کس وقت واجب ہوئی؟ تو آپ نے فرمایا "جب کہ آدم روح اور بدن کے درمیان تھے (ترمذی
بحوالہ مشکوۃ باب سید المرسلین فصل ثانی)

وقت بھی نبی تھا کہ آدم علیہ السلام اپنے مٹی کے بدن میں پڑے تھے (یعنی ابھی روح نہیں ڈالی
گئی تھی) حاکم نے مندرجہ بالا حدیث کو صحیح الاسناد بتایا ہے۔

"حضرت انصی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کب
نبی تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اس وقت بھی نبی تھا کہ آدم روح اور جسم کے درمیان تھے"

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابو نعیم نے اپنے حلیہ میں روایت کیا ہے اور
حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

## عقلی ثبوت

آپؐ کے روحوں کی دنیا میں رسول ہونے کا ایک عقلی ثبوت نہایت واضح ہے تمام مفسرین
اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت جنت میں نہیں تھی بلکہ دنیا میں بھیجے جانے
سے حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کا آغاز ہوا تھا جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ نے فرشتوں سے
فرمایا۔

ترجمہ! "میں زمین میں ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں" (البقرہ۔ 30)

یہ بھی ہمیں قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ناموں کا علم (الاسماء کلھا) حضرت آدم علیہ السلام
کو پیدا کرنے کے بعد دیا گیا تھا۔

ترجمہ! "اور اس نے آدم علیہ السلام کو نام سکھائے کل کے کل پھر انہیں فرشتوں کے سامنے
پیش کیا" (البقرہ31)

اب یہاں غور کیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ

"ناموں کا علم" براہ راست خود دیا تھا یا حضرت جبرئیل یا کسی اور فرشتے کے ذریعے دیا تھا؟ دونوں صورتوں میں یہ وحی ہوئی اور اگر حضرت آدم علیہ السلام پر وحی اترنا ثابت ہوتا ہے تو وہ روحانی دنیا میں بھی نبی ثابت ہوئے۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔

روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ کل ناموں (الاسماء کلھا) کا علم یا تو مجھے دیا گیا تھا یا آدم علیہ اسلام کو"

دیلمی نے ابو رافع سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "مجھے میری امت مٹی اور پانی میں دکھائی گئی اور مجھے الاسماء کلہا کا علم دیا گیا جو آدم علیہ السلام کو دیا گیا تھا"

یعنی صرف دو شخصیتوں کو یہ علم عطا کیا گیا تھا ان میں سے حضرت آدم علیہ السلام نبی نہیں تھے۔ ظاہر ہے کہ احمدؐ (رسول اللہ) کے ذریعہ یہ علم حضرت آدم کو دیا گیا ہوگا۔ یہ رسول احمد ﷺ کے آسمانی دنیا میں رسول ہونے کی عقلی دلیل ہے۔

## سائنس رہنمائی کی محتاج ہے

زمین پر حیات انسانی کی شروعات کو ہزاروں سال بیت گئے۔ لاتعداد عظمتوں، پستیوں، روشنی کے میناروں اور عبرت کی داستانوں کو سمیٹتا ہوا وقت لگاتار آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ اس آخری گھڑی کی طرف جہاں ایک دھماکے سے ان سارے عجائبات کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور ایک نئی اور ابدی حیات کا آغاز ہوگا۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ہی انسانی عقل بھی ارتقاء کی منزلیں طے کر رہی ہے اور اپنی ترقی کے نقطہ عروج پر پہنچ کر یہ مادی عقل بھی فنا ہو جانے والی ہے۔

اب سے چودہ سو سال پہلے جب انسانی عقل بچپن کے دور سے نکل کر بلوغت کے دور میں داخل ہوئی تو رب کائنات نے خاتم النبیین ﷺ کو دنیا میں اس آخری کتاب کے ساتھ بھیجا جس میں وقت کے آخری سرے تک پیش آنے والے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ قرآن کریم حضرت محمد ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے اور اس کے عجائبات رہتی دنیا تک سامنے آتے رہیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ! "ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں (اسی) دنیا میں دکھائیں گے اور خود انکی ذات بھی یہاں تک کہ ان پر کھل کر رہے گا کہ یہ (قرآن) حق ہے"

انسانی عقل اللہ کے علم کا کبھی احاطہ نہیں کر سکتی۔ جنہوں نے اس قطعی علم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ ان کی ایک مثال نوبل انعام یافتہ سائنس داں ڈاکٹر عبدالسلام ہیں جنہوں نے قرآن

[illegible]

"[illegible] کائنات کے بارے میں [illegible] نظریات کو غلط کر دیا ہے اور تخلیق کائنات کا ایک نیا نظریہ سامنے آیا ہے۔"

نظریات بنتے اور بگڑتے ہی رہیں گے۔ جو عقل کی سمت ہی غلط ہے جب تک صحیح سمت میں جستجو نہیں کریں گے حقیقت کے ثبوت کیسے مہیا ہوں گے؟ صحف و قرآن میں تخلیق کائنات کے علم کی مکمل رہنمائی موجود ہے اور پچھلے صحائف میں بھی تھی۔ فی الحال ہم تخلیق کائنات کی ابتدا ذکر کر رہے ہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق ہمارے پچھلے صفحات اور حقیقت محمدی سے ہے۔

سرور کائنات ہی کائنات کی ابتدا ہیں

سب سے پہلے مشیت کے انوار سے نقش روئے محمد بنایا گیا
پھر اسی نقش سے مانگ کر روشنی بزم کون و مکاں کو سجایا گیا

(مولانا قاسم نانوتوی)

احادیث سے صرف اتنا ہی معلوم نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت حضرت آدم علیہ السلام کے بدن میں روح ڈالے جانے سے پہلے تھی بلکہ احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ

حضرت احمد مجتبیٰ ؐ کی تخلیق تمام کائنات، ملائکہ، زمین و آسمان و دیگر مخلوقات اور عرش الٰہی سے بھی پہلے ہوئی تھی اور پھر نور احمد ؐ ہی کو اللہ عزوجل نے دیگر تمام مخلوق کی پیدائش کا وسیلہ بنایا۔

ذیل میں ہم حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی ؒ کے مکتوبات ربانی سے چند احادیث نقل کر رہے ہیں۔

مشہور حدیث قدسی میں آیا ہے میں ایک مخفی خزانہ تھا، میں نے محبوب رکھا کہ میں پہچانا جاؤں پھر میں نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں"

سب سے پہلے جو چیز اس مخفی خزانے سے ظہور کے طور پر جلوہ گر ہوئی وہ محبت تھی جو کہ مخلوقات کی پیدائش کا سبب ہوئی"

اس حدیث کو امام غزالیؒ اور حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے بھی بیان کیا ہے۔

حدیث قدسی میں حبیب اللہ ؐ کی شان میں آیا ہے۔

اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا اور نہ اپنی ربوبیت کا اظہار کرتا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا

"سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا"

مندرجہ بالا تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ تمام مخلوقات میں سب سے پہلی تخلیق نور احمد ﷺ ہی کی تھی یہی بدھ ازم اور ہندو مت میں بھی ثابت ہو چکا ہے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ ہندو مذہب میں تخلیق اول کا موضوع کتنا اہم ہے۔ یہ مندرجہ ذیل مثالوں میں دیکھیں۔

"...... تخلیق اول کا موضوع ان باتوں کو جو شخص جان لیتا ہے وہ لمبی عمر والا، مشہور (دل کی) دولت سے مالا مال، صدقہ جاریہ کا اہل اور بڑا عالم بن جاتا ہے اور اسے شہادت حق کا حصول ہوتا ہے"۔

تخلیق اول کی ہندو مذہبی کتب میں کتنی اہمیت ہے یہ جان کر مشہور ہندو محقق ڈاکٹر چمن لال گوتم حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"تخلیق اول کا نہ کوئی پران بنایا گیا نہ مندر بنائے نہ ان کی پوجا عام ہوئی یہی تعجب ہے۔ تخلیق اول کو تو سب سے نمایاں طور پر دیوتا کے روپ میں اعزاز دینا چاہئے تھا"۔

یہاں ہم نے چند مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ آسمانی رسول اول یا نور احمدی یا تخلیق اول پر ہندو قوم نے کتنی دیو مالائیں گھڑی کی ہیں اور ان دیو مالاؤں کی اصل حقیقت کیا ہے؟ یہ بے حد دلچسپ

اور کار آمد لیکن ایک طویل موضوع ہے جس کا ذکر ہم آئندہ کریں گے انشاء اللہ۔

## قرآن سے بھی ثابت ہے

احادیث اور دیگر صحائف میں تفصیل سے ذکر موجود ہو اور اتنی اہم حقیقت قرآن میں موجود نہ ہو بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ آیئے دیکھیں۔

قل ان کان للرحمن ولد فانا اول العبدین (الزخرف ـ 81)

ترجمہ! "آپ کہہ دیجئے کہ اگر رحمان کے اولاد ہو تو سب سے اول عبادت کرنے والا تو میں ہوں"

مندرجہ بالا آیت کا اکثر مفسرین نے مطلب یہ بتایا ہے کہ بالفرض محال اگر رحمان کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں (رسول اللہ ؐ) اس کی عبادت کرتا لیکن چونکہ اس کے لئے اولاد ہونا محال ہے اس لئے میرا اس کی (اولاد کی) عبادت کرنا بھی محال ہے۔

آیت کی یہ تفسیر بھی صحیح ہے۔ لیکن ان معنوں میں ایک اشکال یہ ہے کہ اللہ کی اولاد کا ہونا محال کیا۔ ہے ہی نہیں۔ رسول کی طرف سے یہ فرض کرنا بھی کہ اگر اولاد ہوتی تو وہ اس کی عبادت کرتے۔ ذہن اس سے بہتر کوئی تاویل ڈھونڈتا ہے۔ مندرجہ بالا آیت میں عربی لفظ "ان" کے معنی "اگر" اور "نہیں" دونوں ہوتے ہیں۔ شاید اسی لئے امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں اس آیت کے مندرجہ ذیل معنی نقل کئے ہیں۔

"کہہ دیجئے کہ رحمان کے اولاد نہیں۔ سو میں تو اولاد ماننے سے پہلے ناراض ہونے والا ہوں"

امام بخاریؒ نے عابدین کا ترجمہ "عبادت کرنے والے" کے بجائے "ناراض ہونے والے" کیا ہے۔ عربی شاعری میں چونکہ یہ لفظ ان معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے لیکن اتنے دور کی تاویل کرنے پر مفسرین نے ان پر بہت اعتراضات کئے ہیں۔ چنانچہ علامہ شوکانیؒ نے تفسیر فتح القدیر میں اس پر اشکال ظاہر کیا ہے۔

غور فرمائیں کہ اگر یہ اصول صحیح ہے کہ احادیث قرآن شریف کی تفسیر کرتی ہیں تو اوپر بیان کردہ احادیث کی روشنی میں اس آیت کا مطلب کتنا واضح ہو جاتا ہے جس سے مندرجہ بالا دونوں قسم کے اشکال نہیں رہتے اور احادیث نبویؐ کی تائید بھی ہوتی ہے یعنی "آپ کہہ دیجئے کہ رحمٰن کی اولاد نہیں ہے اور میں اول العابدین یعنی سب سے پہلا عابد ہوں"۔

اس کائنات کی ہر شے فرشتے، زمین، آسمان، سمندر، پہاڑ، پیڑ پودے سب اللہ کی عبادت کر

رہے ہیں اور اس کی عابد ہیں۔ سب سے پہلا عابد وہی ہستی ہو سکتی ہے جو ان سب عابدین سے پہلے پیدا ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ یہ اعلان فرمادیں کہ "رحمان کی کوئی اولاد نہیں ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت میں (رسول ﷺ) خود ہوں۔ کیونکہ میں تخلیق اول ہوں اولاد ہونے کا دعویٰ کرتا تو میں کرتا۔ جب میں خود یہ کہہ رہا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں تو پھر رحمان کی اولاد کوئی اور کیسے ہو سکتی ہے؟"

اس کے علاوہ سورہ نساء کی آیت نمبرا میں ارشاد ہوا ہے

ترجمہ! "اے لوگو اپنے پروردگار سے تقویٰ اختیار کرو جس نے تم سب کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا زوج (جوڑا) پیدا کیا"۔

یہاں تمام انسانوں کی پیدائش کا ذریعہ ایک نفس کو بتایا گیا ہے۔ نفس کے معنی جان کے ہوتے ہیں اور اس سے جسم اور روح دونوں مراد ہوتے ہیں۔ جب جان سے مراد جسم لیا جائے تو اس آیت میں حضرت آدم و حوا سے تمام انسانوں کی پیدائش کا مطلب سمجھ میں آتا ہے اور جب نفس سے مراد روح ہو تو روح اول یعنی نور احمد ﷺ سے تمام ارواح کا پیدا ہونا ثابت ہو گا۔ (واضح رہے کہ روح کا جوڑا جسم ہے۔ پہلے تمام روحوں کو ایک ایک روح سے پیدا کیا پھر ان کے جوڑے یعنی جسم بنائے۔)

کلام الٰہی سے جب ہم معلوم کرتے ہیں کہ انسانی جسم کس چیز سے بنایا گیا تو مختلف الفاظ ہمیں جو ملتے ہیں وہ یہ ہیں۔

طین (کیچڑ)۔ تراب (خاک)۔ علق (خون کی پھٹکی)۔ ماء دافق (اچھلنے والا پانی) صلصال (کھنکھناتی ہوئی اور سڑی ہوئی مٹی) حماء مسنون (سنا ہوا گارا) اور نطفہ۔

یعنی کل ملا کر جب ہم دیکھتے ہیں تو انسانی جسم ناپاکیوں کا مجموعہ ہے۔ یہ ناپاکیاں اور عیوب انسان کے خمیر میں موجود ہیں۔ انسان جسم کے قالب میں آنے کے بعد جنت میں بھی شیطان مردود سے دھوکہ کھا گیا۔ اب دیکھئے فرمان باری تعالیٰ ہے کہ اللہ نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا۔

".....اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا"

یہ روح اول ہے جسے اللہ نے اپنی صفات سے موصوف کیا اور قرآن میں اسے رؤف رحیم کہا اس پاک ترین روح سے تمام انسانوں کی روحیں پیدا ہوئیں۔ جب جسموں میں روح پھونکی گئی تو انسان افضل ترین صفات اور ارزل ترین ناپاکیوں کا مجموعہ ہو گیا۔

قرآن کریم کی آیات میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے
ترجمہ: "ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو پستیوں سے بھی پست پر
دیا۔"
یعنی روح پہلے پیدا ہوئی جو اللہ کی فطرت پر ہے اور پھر اس روح کا تعلق جسم سے ہوا جو ناپاک
تھا۔ اب انسان دونوں طرح کی صفات کا مجموعہ ہے۔
ظاہر ہے بہترین ساخت پر وہی روح پیدا کی گئی جسے رؤف رحیم کہا گیا۔ مندرجہ بالا آیات بھی
رحمۃ للعالمین ﷺ کی سب سے اول پیدائش کا ثبوت ہیں اور یہ تو رب العالمین نے سرور کونین
کو رحمۃ للعالمین (تمام جہانوں کے لئے رحمت) کے الفاظ استعمال فرما کر ہی بتا دیا تھا۔ ظاہر ہے
رسول اکرم ﷺ کا تعلق اگر صرف اس دنیاوی حیات میں انسانوں سے ہی ہوتا تو آپ تمام کائنات کے
لئے رحمت کیسے ہوتے۔
کلام ربانی میں جگہ جگہ حضرت محمد ﷺ کو رسول من انفسکم بتایا گیا ہے۔ جب نفس سے
مراد روح لیا جائے گا تو اس کا مطلب ہو گا تم سب کی روحوں کا رسول نہ کہ صرف عربوں کا رسول۔
اس سے آپ ﷺ کی اولیت ثابت ہوتی ہے
مزید سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۷ میں بھی دیکھیں۔
"اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ہم نے تمام پیغمبروں سے عہد لیا اور آپ سے (بھی)
اور نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے
(بھی) اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔"
اس آیت کریمہ میں اگر آپ غور فرمائیں تو نبیوں سے عہد لینے کی ترتیب میں آپ (حضرت
محمد ﷺ) کا نام تمام دوسرے انبیاء سے پہلے لیا گیا ہے
یہ رسول اکرم ﷺ کے تخلیق اول ہونے کا واضح قرآنی بیان اور یہ نور احمدی کی حقیقت
[illegible] تخلیق اول ہونے کی حقیقت ہے اور روحوں کی دنیا میں تمام روحوں کا رسول اول ہونے کی
حقیقت ہے آپ [illegible] تمام [illegible] میں موجود تھا (اور آج بھی ہے) اس لئے قرآن نے مکمل
[illegible]
[illegible]

سبق آموز

# سونے کی اینٹ

(مرسلہ۔ محمد اکرم)

ایک پرہیز گار حق پرست آدمی کو کہیں سے سونے کی اینٹ مل گئی اس سونے نے اس کا دماغ خراب کر دیا اور دل روشن بھی تاریک ہو گیا۔ اس کو ہروقت یہی فکر رہتی کہ اس کے مال خزانے میں میرے جیتے جی ذرا کمی نہ آئے۔ اب اپنی ضروریات کے لئے مجھے کسی سے سوال نہیں کرنا چاہئے۔ نہ آداب بجالانے کے لئے کسی کے سامنے جھکنا چاہئے اور ایسا گھر بنانا چاہئے جس کی دیواریں اور فرش سنگ مرمر کا ہو۔ دوستوں کے واسطے ایسی بیٹھک بناؤں گا کہ جس کے دروازے باغ کی طرف کھلتے ہو تاکہ بیٹھے بیٹھے بہاروں کا مزا لیتے رہیں۔ ہروقت پیوند کاری کی وجہ سے میرے ہاتھ گھس گئے ہیں۔ کھانا پکانے کے لئے نوکر رکھ لوں گا۔ کمبل کے بستر پر سوتے سوتے میں تنگ آ گیا ہوں اب تو ریشمی بستر بناؤں گا۔ ان خیالات اور ہوائی قلعہ بندیوں نے ایسا ہجوم کیا کہ وہ پاگل سا ہو گیا اس کو کھانے پینے کی بھی ہوش نہ رہی۔ نماز اور ذکر و اذکار بھی جاتا رہا۔ وہ بڑے تکبر سے جنگل میں جا پہنچا کیونکہ گھر میں اس کا دل نہیں لگتا تھا وہاں دیکھا کہ ایک شخص اینٹیں بنانے کے لئے قبر کی مٹی گھوند رہا ہے۔ تو اس کے دل پر بڑی چوٹ سی لگی۔ پریشانی کی حالت میں اپنے آپ سے کہنے لگا تجھے اس سے نصیحت حاصل کرنی چاہئے تجھے سونے کی اینٹ سے دل لگانا زیب نہیں دیتا۔ جب کہ تیری مٹی سے بھی اینٹیں بنائیں جائیں گی۔

زیر نظر حکایت "سونے کی اینٹ" میں حضرت شیخ سعدیؒ یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ انسان کا اصل زیور اپنے مالک حقیقی سے محبت کی جوت لگانا اور تسلیم و رضا و شکر بجالانا ہے۔ جب دل پر مال و دولت کی محبت چھا جاتی ہے تو انسان دو سے دو چار چار سے آٹھ نہ ختم ہونے والے سلسلے سے اپنا سکون برباد کر ڈالتا ہے۔ بڑے بڑے بادشاہ رئیس امیر وزیر اس کے حکم سے تنکے کی مانند پانی کی موجوں کے نظر ہو گئے آج ان کا نام و نشان باقی نہیں۔ اے دوست دولت کی محبت سے ہاتھ اٹھا لے۔ دنیا کی محبت سرد کرنے اور اللہ کے عشق میں بے تاب ہونے کا بھید کسی اللہ والے سے پوچھ لے۔

# اہل اللہ کا اجر

ڈاکٹر عتیق الرحمان

حضرت قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ارشاد فرمایا

"جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے دین برحق کی خدمت کی اور تبلیغ و اشاعت صدق و خلوص کے ساتھ کی، اللہ خود اس کا اجر و ثواب بن جاتا ہے اور دنیا و عقبیٰ میں اسے عزت و آبرو عطا فرماتا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے "تم اللہ کی مدد کرو (یعنی اس کے دین کی نشر و اشاعت کرو) وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے گا"

پس میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ اللہ کے کلام کی تبلیغ و اشاعت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور تسلیم و رضا کو اپنا شعار بناؤ جو مسلمان اللہ کے کلام اور اس کے نبی ﷺ کی سنت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیتا ہے اس کا اجر و ثواب فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں سے بھی زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت ہمیشہ اس کے شامل حال رہتی ہے"۔

☆☆☆☆☆☆☆☆OOOOOO☆☆☆☆☆☆☆☆

**FALAH-E-ADMIAT**

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

اللہ

محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

# بانی سلسلہ کی تصانیف

## "تعمیر ملت"

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال و انحطاط کی وجوہات۔

ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار

عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد انسانی روح کی حقیقت کیا ہے۔ روح کس طرح دنیا میں آتی ہے اور واپسی کا سفر کیسے طے کرتی ہے۔

اسلامی عبادات، معاملات اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات

امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کے لئے واضح لائحہ عمل

صفحات:۔ 272 قیمت:۔ 100